UNIVERSAL LIBRARY
OU_222025
UNIVERSAL LIBRARY

حق

راستی موجب رضائے خداست
کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

محمود اور فردوسی

مصنفہ

قاضی ظہور الحسن ناظم متوطن سیوہارہ ضلع بجنور

مصنف

یدو مناظر السالک و سلاسل الاصفیاء و تحفۃ السلطان و اردو کہانیاں وغیرہ وغیرہ و

مترجم عقبیٰۃ الطحاوی

ی ۳
۲۲۸

مطبوعہ معین دکن پریس چھتہ بازار

قیمت فی جلد علاوہ محصولڈاک ۱۲ر

بلا اجازت مصنف کوئی صاحب قصد طبع نہ فرماویں جسقدر جلدیں مطلوب ہوں حیدرآباد دکن محلہ عابد شاپ مکان مولوی فیض الدین صاحب وکیل کے پتہ پر مصنف سے طلب فرمائیں۔

Checked 1965.
CHECKED. 1951

اہل الرائے

Checked 1965
Checked 1965

ہنر شناس کو دکھلا ہنر کہ خوبیٔ زر

اگر چڑھے ہے تو صراف کی نظر چڑھ کر

1952

جناب مسٹر ابن حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ایم۔ اے پروفیسر تاریخ ہند جامعہ عثمانیہ

اس دور کے متعلق انگریزی میں جو تاریخیں موجود ہیں ان سب میں فردوسی کا قصہ درج ہے۔ اکثر مصنفین نے اسے صحیح تسلیم کرنے میں تامل کیا ہے۔ اور بعض نے ایک حد تک سلطان کی حمایت بھی کی ہے۔

لین پول نے سلطان کی فیاضی اور علم پروری کی مثالیں دے کر بخل کے الزام کو رد کرنے کی کوشش کی ہے۔

الفنسٹن محمود کے اس فعل کو قابل ستایش تصور کرتا ہے کہ اس نے ہجو کی پروانہ کی اور انعام میں مزید اضافہ کیا۔

سر ولزلے ہیگ نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد سوم مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں اس وعدہ خلافی کو سلطان کے بخل کی بجائے درباریوں کے حسد پر محمول کیا ہے۔ لیکن ان سب باتوں سے اصل واقعہ کی تردید نہیں ہوتی۔ قاضی ظہور الحسن صاحب نے نہایت مدلل اور واضح طور پر اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ نہ سلطان نے فردوسی سے شاہنامہ لکھنے کی فرمایش کی۔ اور نہ کسی قسم کے انعام کا وعدہ کیا۔ اور نہ فردوسی نے مایوس و متاثر ہو کر ہجو لکھی۔ سلطان محمود جیسے علم پرور اور علم دوست فرمانروا پر ایک علمی معاملہ میں بخل کا الزام۔ اور دربار کے ایک شاعر کے ساتھ وعدہ خلافی کرنا در اصل اس کے کیرکٹر پر ایک بدنما داغ ہے جو اس رسالہ سے قطعی طور پر دور ہو جاتا ہے

میرے نزدیک مصنف صاحب نہ صرف تاریخ سے واقف ہیں۔ اور تحقیق کا شوق رکھتے ہیں بلکہ انہیں فارسی ادب پر بھی عبور حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسقدر خوبی سے اس مسئلہ کو واضح کرسکے ہیں۔ ان کا یہ رسالہ تاریخی نیز ادبی حیثیت سے قابل وقعت ہے اور وہ اپنی اس کامیابی پر قابلِ مبارکباد ہیں۔ فقط

Checked 1978

عالیجناب مسٹر ہارون خان صاحب شروانی سلمہ اللہ تعالیٰ ایم۔ اے آکسن بیرسٹرایٹ لا
صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

میں نے مولانا ظہور الحسن صاحب ناظم سیوہاروی کی تالیف موسومہ محمود اور فردوسی کو بغور دیکھا۔ یہ رسالہ نہایت محنت اور کاوش سے لکھا گیا ہے۔ اور اسمیں فاضل مؤلف نے شاہنامہ فردوسی کی بابتہ بہت کچھ تحقیقات کرکے سلطان محمود غزنوی پر جو الزامات لگائے جاتی ہیں انکا بطلان کرنیکی کوشش کی ہے جو یقیناً باعث ستایش ہے۔ ہماری تاریخ میں بہت سی ایسی شخصیتیں نظر آئینگی۔ جنکا تدبر، علمی ذوق اور حکمت عملی کسی ملک اور کسی ملت کے لئے بھی باعث فخر ہوسکتی ہے۔ اور جسقدر جلد ہم اون کی طرف متوجہ ہوں اتنا ہی ہمارے مستقبل کیلئے اچھا ہوگا۔ حضرت ناظم نے اس ذخیرہ کو جو بہت سی کتب تاریخی میں شاہنامہ کی بابت ملتا ہے یکجا کرکے ایک علمی خدمت کی ہے جس کے باعث وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ فقط

عالیجناب مسٹر جمیل الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ایم۔ اے پروفیسر تاریخ اسلام
جامعہ عثمانیہ

مولوی قاضی ظہور الحسن صاحب کا مضمون محمود اور فردوسی میری نظر سے گذرا۔ آجکل اس قسم کی رسالوں کی جن میں شاہان اسلام کی بدنامی کو دور کرنیکی کوشش کی جائے

بہت ضرورت ہے۔ اور مولوی صاحب موصوف نے اپنے اس رسالہ میں اس ضرورت کو کما حقہ پورا کیا ہے۔ امید ہے کہ صاحب موصوف آیندہ بھی اس قسم کے رسایل سے قوم و ملک کی خدمت کرتے رہیں گے۔ فقط

عالیجناب مولوی سیّد ہاشمی صاحب فریدآبادی سلمہ اللہ تعالے
مصنّف تاریخ ہندوستان و رکن دار الترجمہ حیدرآباد

قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم کا رسالہ محمود اور فردوسی میں نے دلچسپی اور غور سے مطالعہ کیا۔ جناب قاضی صاحب کی محنت اور شوق تحقیق قابل داد ہے کہ انہوں نے متعدد دلایل سے سلطان محمود انار اللہ برہانہ کی فردوسی کے ساتھ وعدہ خلافی کرنیکی قصہ کی تردید کی ہے۔ اور ثابت کیاہے کہ سلطان کی ہجو جو فردوسی سے منسوب کیجاتی ہے کسی طرح اس کی تصنیف نہیں ہوسکتی۔ یہہ اسلامی تاریخ کی ایک سچی خدمت ہے جو قاضی صاحب ممدوح نے انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اون کے شوق کو ترقی اور اون کی سعی کو مشکور فرمائے۔ فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فقیر نے اپنے رسالہ باطل شکن میں وعدہ کیا تھا کہ اس کے بعد غازیانِ ہند و غزوات السلاطین نام دو رسالہ تالیف کر کے پیش کرونگا۔ باطل شکن کے مطالعہ پر صاحبانِ علم کے متواتر صدہا خطوط فقیر کو پہونچے۔ جن میں ہر دو موعودہ رسالوں کے جلد شایع کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ لیکن میں اپنی پریشان حالی کی وجہ سے نہ اون حضرات کو کوئی جواب دے سکا۔ نہ رسائل موعودہ ترتیب کر کے پیش کر سکا۔ باطل شکن کو شایع ہوئے دو برس کے قریب ہو گئے اس عرصہ میں اگرچہ میں تالیف کے ذریعہ اسلامی و قومی خدمت انجام دیتا رہا۔ لیکن مصائب نے مجھ کو اس قدر مطمئن نہ ہونے دیا کہ میں اُن دو نایاب و ضروری رسائل کو مرتب کر کے اسلام کی ایک اہم خدمت اور اپنے وعدہ سے سبکدوشی حاصل کر سکون۔ میں حضرات علماء کرام و برادران اسلام کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے اس وعدہ کو پورا کرنیکی پوری سعی کرونگا اس وقت میں اس مختصر رسالہ کو پیش کرتا ہوں جو گویا غازیانِ ہند کا ایک حصہ ہے۔ اسمیں ایک پرانی خطرناک غلطی کی اصلاح کی گئی ہے۔ یعنی مسلمانوں کے ایک بزرگ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو فردوسی کے ساتھ خلاف وعدہ کرنے کا الزام لگا کر بدنام کیا جا ہے۔ واقعہ پسند اصحاب اس بے اصل کہانی کو طرح طرح کے لباس پہنا کر کبھی کتاب کبھی ٹریکٹ کبھی اخباری مضامین کی صورت میں شایع کر کے مسلمانوں کے دل دکھاتے ہیں۔ اس رسالہ کے ملاحظہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کو معلوم ہو جائیگا کہ اس بے اصل کہانی کا تار تار الگ کر دیا گیا۔ اور مکائد و تلبیسات کا تار و پود اکھاڑ دیا گیا ہے۔ اب کوئی صاحب عقل اہل علم طالب حق اس الزام کا نام نہ لیگا۔ خدا تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے میرے محترم دوست عالیجناب امیر باذل مولانا الحاج فیض الدین صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ وکیل حیدر آباد کو جن کے سایۂ عاطفت میں بیٹھ کر فقیر نے اس علمی تاریخ اسلامی خدمت کو انجام دیا ہے۔ میں عزیزی مولانا

الحاج عبد البصیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے مثل باطل شکن وغیرہ میری دیگر تصانیف کے اس رسالہ کے مکمل کرنے میں بھی میری مدد کی ہے ورنہ (صلاح کار کجا و من خراب کجا) اہل نظر کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر اس رسالہ میں احقر سے کوئی غلطی یا فروگذاشت ہوئی ہو تو مطلع فرما دیں۔ تاکہ سکنڈ اڈیشن میں اصلاح کی جا سکے۔

حرفے زدا دو دانش و دین است اینکہ ما
بہر صلاح خاطر دانا نوشتہ ایم

خادم ملت
ناظم
ڈسمبر ۱۹۲۹ء حیدر آباد دکن

التماس

زمانۂ قدیم کے بادشاہوں امیروں بزرگوں باکمالوں درویشوں عالموں کے متعلق طرح طرح کے قصے اور روایتیں مشہور ہیں۔ جنہیں اکثر دُور از قیاس اور غلط ہیں۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ میں ہزاروں واقعات فرضی و وہمی ہیں جس کا اہل یورپ کو اعتراف ہے۔ ایسے ہی صنادید ایران کے متعلق شاہنامہ میں مار ضحاک۔ دیو سفید۔ جام کیخسرو۔ زال و سیمرغ ہفتخوان رستم وغیرہ وغیرہ واقعات جنکے متعلق فاضل البیرونی نے لکھا ہے یہ ایسی باتیں ہیں۔ جن کو سننے سے دل اچٹتا ہے۔ اور کان ان کو برداشت نہیں کرسکتے۔ عقل قبول نہیں کرتی (آثار الباقیہ) ہندوستان کی قدیم تاریخی روایات کا دُور از عقل و قیاس مبالغہ سب سے بڑھا ہوا ہے لیکن اس قسم کی روایات کو تفریح طبع یا قصہ گوئی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ تاریخی حیثیت سے ان کو کوئی درجہ حاصل نہ تھا۔ نہ مذہبی و قومی مسائل میں ان سے استناد کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے کسی مصنف نے ایسی روایتوں کی تنقید کیطرف خاص توجہ نہیں کی۔ اس عدم توجہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان میں سے بعض بعض تاریخی روایات قرار پاگئیں۔ اس زمانہ میں کہ روشنی و ترقی کا عہد مشہور ہے یہ اندھیر ہو رہا ہے کہ لغو روایات کو مذہب و قومی اخلاق و معاشرت کی حسن و قبح کا معیار بنایا جاتا ہے۔ واقعہ پسند طبایع ان کو مشہور کرکے عوام و جہال میں ناموران قدیم سے بدظنی پھیلاتے ہیں۔ اس قسم کی روایات میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور فردوسی کی روایت ہے جس کو زمانہ قریب کے ان مؤرخوں نے جنکا قلم سیاست کے زیر حراست چلتا ہے خوب آب و رنگ دیا ہے۔ اور باطل دوست مصنفین اس قصہ کو بار بار کبھی ٹریکٹ کی صورت میں شایع کرتے ہیں۔ کبھی اخبارات میں مضامین نکالتے ہیں۔ اس طرح زمانہ وسطی کے فاتح اعظم عادل و نیک دل مخیر سلطان کو بدنام کرکے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں۔ اگر راجہ مہیچندر کے متعلق کوئی بات کہی جائے تو ہندو آپے سے باہر ہو جائیں۔ اگر شاہ الفرڈ کو کچھ کہا جائے تو انگریز نیلی پیلی آنکھیں نکالنے لگیں۔ لیکن ہندو اور انگریز

مصنفین اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم ایک مسلمان مقدس فاتح پر ناواجب الزام لگا کر اسکو دلخراش الفاظ و عبارت میں ظاہر کرتے ہیں تو مسلمانوں کے قلوب کی کیا کیفیت ہوگی اس زمانہ میں مسلمان مؤرخین نے بھی تاریخیں لکھی ہیں۔ جن میں سے اکثر نے پیش آمدہ واقعات پر نظر نہ کرکے محض کورانہ تقلید میں اس روایت کو نقل کر دیا ہے۔ بعض نے اس حکایت کو لغو سمجھ کر لکھا ہی نہیں۔ بعض نے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ یہ روایت غلط ہے۔ لیکن معاندین کے پیدا کردہ مفاسد کے دفعیہ کے لئے صرف انکار کافی نہیں ہوسکتا۔ ضرورت تھی کہ اس حکایت کی تنقیح و تنقید پر کافی توجہ کی جاتی۔ معاندین کی ہرزہ سرائی نے اس حقیر فقیر کو اس فرضی کہانی کی تحقیق پر متوجہ کیا۔ فقیر نے اپنے علم و دسترس کے موافق تحقیقات کرکے بعض اکابر علما کی خدمت میں پیش کی۔ اُن حضرات کے اظہار پسندیدگی فرمانے سے یہ جرأت ہوئی کہ اپنی تحقیقات کو بصورت کتاب مرتب کر دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ ضد اور تعصب کو چھوڑ کر جو طالب حق ان اوراق کا مطالعہ کریگا۔ اس کو اس روایت کے باطل ہونے میں ذرا بھی شبہ نہ رہیگا۔ پہلے میں اُس روایت کو مسٹر ہنٹر کی تاریخ سے نقل کرتا ہوں۔

وھو ہذا

چونکہ محمود علم دوست اور شاعروں کا حامی تھا۔ لہٰذا اُس کی سخاوت و قدردانی کی شہرت سن کر فردوسی بھی اس کے دربار میں آیا۔ سلطان نے اُس کا شاہنامہ نہایت شوق سے سنا۔ اور اُس سے بروقت اختتام فی شعر ایک درم طلائی دینے کا وعدہ کیا۔ تیس برس کی محنت اور جانفشانی کے بعد شاعر آیا اور اپنے انعام کا طالب ہوا۔ مگر جب سلطان نے دیکھا کہ شاہنامہ میں ساٹھ ہزار سے کم اشعار نہیں ہیں۔ تب اس کو بجائے طلائی کے ساٹھ ہزار درہم نقرئی دینے کا حکم دیا۔ اس پر فردوسی کمال ناخوش ہوکر چلا گیا۔ اور نہایت سخت اور طنز آمیز ہجو لکھی۔ جس سے بادشاہ کے حسب و نسب کا داغ صفحۂ روزگار پر ہنوز قایم ہے۔ بہرحال محمود نے رزمیہ نظم کی عمدگی کے لحاظ سے ہجو کی گستاخی معاف کی اور اپنی دنایت پر نادم ہوکر ایک لاکھ درہم طلائی فردوسی کو روانہ کئے۔ مگر یہ بخشش خسروانہ دیر میں پہنچی۔ جس وقت شاہی قاصد زر کی تھیلیاں لئے شہر کے ایک دروازے سے داخل ہوئے۔ دوسرے دروازے سے شاعر کا جنازہ لوگ باہر لئے جاتے تھے۔ (تاریخ ہند)

(حصۂ دوم)

اس روایت میں تمویہ بیان کیا گیا ہے شاہنامہ فردوسی پہلے سے لکھ رہا تھا۔ سلطان نے سن کر پسند فرمایا۔ دوسرے مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان کو شاہنامہ لکھانے کا خیال تھا۔ فردوسی آیا۔ اس کی سپرد یہ خدمت کیگئی۔ اس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلطان نے بوجہ بخل کے انعام موعود نہ دیا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ انعام نہ دینے کی وجہ سلطان کا مذہبی تعصب تھا۔ کیونکہ فردوسی شیعہ تھا۔ ایک یہی اختلاف نہیں اس قصہ کی ہر ہر بات کے متعلق ایسے کثیر و شدید اختلافات ہیں کہ جن کا عبور کرنا ناممکن ہے اور عجب نہیں کہ اس کثرت اختلافات سے گھبرا کر اس گتھی کو سلجھتا نہ دیکھ کر کوئی سادہ دل جھنجلا کر کہہ اٹھے کہ یہ سب غلط ہے۔ نہ دنیا میں فردوسی کوئی شاعر ہوا نہ محمود کوئی بادشاہ ہوا۔ نہ شاہنامہ کوئی کتاب ہے

اصل حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے عہد میں مذہب قرامطہ کا زور تھا۔ اور یہ فرقہ سلاطین اسلام کا جانی دشمن تھا۔ سلطان نے ان کے استیصال میں پوری سعی کی۔ سلطان کے بعد قرامطہ نے اس کو بدنام کرنے کے لئے بعض واقعات مشہور کئے۔ ان میں سے ایک یہ حکایت بھی ہے۔ فرقہ اسماعیلیہ کے (قرامطہ کی ایک شاخ) لوگوں نے وقتاً فوقتاً اس روایت کی تقویت کے لئے حسب ضرورت و موقع روایت سازی و تحریف کا سلسلہ جاری رکھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ سب مل کر ایک گورکھ دھندا ہو گیا۔ اب اصل حقیقت کا کھلنا دشوار چنانچہ ہجو مشہور کا یہ شعر اس بھید کو کھولتا ہے کہ اس کا مصنف اسماعیلی ہے جو اپنے خاص عقیدہ کو بھی بیان کر گیا

گواہی دہم کایں سخن راز اوست ۔ تو گوئی دو گوشم پر آواز اوست

یہ راز ہی خاص مذہب و عقیدۂ اسماعیلیہ کا ہے۔ اسماعیلیوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ سلطان کو شیعوں سے خاص تعصب تھا۔ اسی شہرت کے باعث شیعہ سلطان کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور اس کی تنقیص کرتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے ان عقلوں پر جو یہ دیکھتے ہوئے کہ عدالتیں شبہ کا فائدہ ملزم کو دیتی ہیں۔ ذرا سے شبہ پر خونی ملزم رہا کر دیا جاتا ہے۔ ایک ایسے واقعہ کو جو سر تا پا شکوک و شبہات و تمویہ سے لبریز ہے ایک مقتدر ہستی کے سر تھوپتے ہیں۔ اور اس کو ایک قوم اور ایک مذہب کے اخلاق کا معیار قرار دیتے ہیں۔ اب میں اس تحقیقات کو قلمبند کرتا ہوں۔ جو اس واقعہ اور فردوسی اور شاہنامہ کے متعلق کتب

کثیرہ سے مجھ کو حاصل ہوئی ہے۔

شاہنامہ کی تحریف

زمانۂ قدیم میں مطابع اور پریس نہ تھے۔ صرف قلمی تحریر کا رواج تھا۔ فردوسی کے بعد غزنی اور طوس وغیرہ ممالک میں ایسے ایسے شدید انقلابات ہوئے جو اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ شہر لوٹے گئے، جلائے گئے۔ پس یہ خیال کرنا کہ شاہنامہ کی ایسی حفاظت ہوئی کہ وہ ان آفات سے محفوظ رہا۔ ایک لغو خیال ہے یہی وجہ تھی کہ اس کی نایابی و انتشار پر نظر کر کے شاہ عالم ثانی نے شاہنامہ جمع کرانیکا قصد کیا۔ مگر ملکی شورش نے اوس کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا۔ اور نصیر الدین حیدر بادشاہ لکھنؤ نے اس کو فراہم کرا کے ترتیب دلایا۔ چنانچہ جن نسخوں سے یہ نسخہ ترتیب دیا گیا ہے اونکی کیفیت حسب ذیل ہے۔

ایک نسخہ مولانا عبد الرحیم بن مولانا عبد اللہ القریشی کا ایرانی خط میں سنہ ۱۰۶۱ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۱۲۴۳) اشعار تھے۔

دوسرا نسخہ محمد حافظ کا ایرانی خط میں سنہ ۱۰۰۸ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۴۷۵۲۰) اشعار تھے۔

تیسرا نسخہ بخط نسخ سنہ ۸۰۰ کا مرقومہ تھا۔ اس میں (۵۰۵۰۰) اشعار تھے۔

چوتھا نسخہ خط نستعلیق نسخ نما میں سنہ ۸۸۰ کا ایران کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۶۶۵۰) اشعار تھے۔ یہ چاروں نسخے آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ نصیر الدین حیدر کو بھیجے تھے۔

پانچواں نسخہ جس پر شہنشاہ اورنگ زیب کی مہر تھی مرتبہ سید التفات حسین خان مرقومہ حاجی علی شیرازی الخاطب کاتب مسجل سنہ ۸۹۹ کا تھا۔ اس میں (۵۲۱۳۴) اشعار تھے۔

چھٹا نسخہ مسٹر ایلس نے بھیجا تھا۔ جو ایرانی خط میں عبد الصمد بن علی محمد الحسینی ایرانی کا سنہ ۱۰۴۲ کا لکھا ہوا تھا اس میں (۴۶۹۸۶) اشعار تھے۔

ساتواں نسخہ منتظم الدولہ نے بھیجا تھا جسمیں (۵۵۰۹۲) اشعار تھے۔

آٹھواں نسخہ یہ بھی منتظم الدولہ نے بھیجا تھا۔ اس میں (۵۵۰۰۰) اشعار

تھے۔

نواں نسخہ۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا تھا۔ جو نظام الدین محمد شیرازی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۰۱۳۴) اشعار تھے۔

دسواں نسخہ۔ ڈنکٹین صاحب نے بھیجا تھا۔ جو ابن حسن نورالدین اصفہانی کا سنہ ۱۰۱۸ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۲۹۱۱) اشعار تھے۔

گیارھواں نسخہ۔ راہس صاحب نے بھیجا تھا جو عبدالکریم بن عبدالنبی جونپوری کا سنہ ۱۰۲۰ھ کا لکھا ہوا تھا۔

بارھواں نسخہ لیم صاحب نے بھیجا تھا اس میں ایک ہزار شعر گستاسپ نامہ اسدی کے اور دوسری داستانیں فردوسی کی تھیں۔ مرقومہ سنہ ۹۹۹ھ

تیرھواں نسخہ ایرانی خط میں سنہ ۹۴۹ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۵۳۰۰۰) اشعار تھے۔

چودھواں نسخہ محمد خان قزوینی کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں (۴۲۰۲۰) اشعار تھے۔

پندرھواں نسخہ ایرانی خط میں سنہ ۸۱۰ھ کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں سات ہزار اشعار صرف بغداد کی تعریف میں تھے۔ اور کل اشعار (۸۷۹۱۱) تھے۔

سولھواں نسخہ میرزا علی اصفہانی نے بھیجا تھا۔ جس میں ابتدا سے بیجر کا گودرز کے پاس کیخسرو کا خط لے کر آنے تک کے واقعات تھے۔

سترھواں نسخہ آنریبل مسٹر ملول نے بھیجا تھا۔ اس میں سوسن رامشگر کے قصہ سے لیکر آخر تک واقعات تھے۔

ان سترہ نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ پندرھواں ہے جو سنہ ۸۱۰ھ کا مرقومہ ہے گویا اختتام شاہنامہ سے (۴۱۰) برس بعد کا لکھا ہوا ہے تیسرا اور چوتھا۔ یہ نسخے ایک ہی سال کی تحریر ہیں۔ مگر ان میں چھ ہزار سے زیادہ اشعار کا فرق ہے۔ ساتواں اور آٹھواں یہ نسخے ایک ہی شخص کے ہیں۔ ان میں (۹۲) اشعار کا فرق ہے۔ ان سترہ نسخوں میں جو تعداد اشعار ہے وہ کسی روایت مشہورہ کے تعداد سے نہیں ملتی۔ یعنی کسی نسخے میں ساٹھ ہزار تعداد اشعار نہیں۔ اور اس قدر کثیر تعداد نسخوں میں کسی دو کی بھی تعداد اشعار برابر نہیں۔ اس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب محفوظ نہیں رہی۔ اور اس میں بہت کچھ کمی و بیشی

ہوئی ہے۔

ان تمام نسخوں سے ایک نسخہ شاہنامہ کا ترتیب دیا گیا۔ جس کو منشی نولکشور نے طبع کیا۔ اور اُس ہی کی نقل آقا سمیع شیرازی ایران لے گئے۔ علامہ لطف علی خان آذر نے بہت ہی درست لکھا ہے۔

"امروز شاہنامہ کہ صحت داشتہ باشد وجود ندارد بعلت عدم ربط کتاب و نساخ چندان تغیر یافتہ کہ نمی تواں گفت کہ دریں کتاب شعرے از فردوسی باقی ماندہ یا زانچہ باقی ماندہ بمقابل اشعار فصیح بلغا و افکار بلیغ فصحا در ہر باب شور خوب و سخن مرغوب دارد" (آتشکدہ آذر)۔

موجودہ شاہنامہ میں تاریخی غلطیاں ایسی ہیں جنکو فردوسی جیسا ماہر تاریخ ایران و مورخ قدیم نہیں کر سکتا۔ مثلاً

چو پرویز و ہرمز چو پورش قباد چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد

اِس شعر سے پرویز کا بیٹا ہرمز ثابت ہوتا ہے حالانکہ ہرمز کا بیٹا پرویز تھا۔

شاہنامہ میں پری چہرہ کو ایرج کی نواسی بتلایا ہے حالانکہ پری چہرہ ایرج کی بیٹی تھی۔

شاہنامہ میں دارا کے قاتل ناسار وجالوسار نامی دو وزیر بتلائے ہیں۔ حالانکہ دارا کے قاتل دو ہمدانی سپاہی تھے۔ (زینت التواریخ و تواریخ ایران سرجان ملکم)

شاعری کی غلطیاں بھی ایسی ہیں جس کو معمولی شاعر بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً

چو سال اندر آمد بہفتاد یک ہمیں زیر شعر اندر آمد فلک

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ۷۱ سال میں تمام اشعار مکمل ہو گئے۔ کتاب (شاہنامہ) طیار ہوگئی۔ دیکھئے یہ شعر اس مطلب کو کہاں تک پورا کرتا ہے۔ اور مصرع ثانی تو بالکل مہمل ہے۔

کہ بخشد ز ہر بیت زر یک درم ہر آنچہ آورم نظم از بیش و کم

زر ہر سے مطلب خبط ہوتا ہے۔ صاف نہیں کھلتا۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ ہر شعر پر ایک اشرفی دینے کا وعدہ تھا۔ یہ مطلب ادا نہیں ہوا۔ زر یک درم کے معنی سونا ایکدرم اور شاعر کا مطلب ایک اشرفی ہے تو یکدرم زر کہنا چاہئے تھا۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار + کہ گفتم من ایں نامۂ شہریار

شاہنامہ میں ایک بادشاہ کا تذکرہ نہیں۔ ایران کے تمام بادشاہوں کا ذکر ہے اسلئے

شہر یاراں جمع لانیکی ضرورت تھی۔

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے | بنزد نبی و وصی گیر جائے۔

خلد وصی۔ عربی الفاظ ہیں۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اگر تجھ کو جنت کی آرزو ہے تو نبی اور وصی پر ایمان لا۔ یا محبت رکھ۔ گیر جائے کہ معنے جگہ پکڑنا۔ اس سے وہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اور ایمان لانے یا محبت کرنے کے لئے جا گرفتن موزوں محاورہ نہیں۔ گیر جا کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ سکونت کر یا دفن ہو۔ اگر سکونت کر مطلب سمجھا جائے تو یہ شاعر کا مطلب نہیں۔ نہ اسکا محل دفن ہونا اگر سمجھا جائے تو ایک آدمی دو جگہ کیونکر دفن ہو۔ ان فاش غلطیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب تلف و منتشر ہوگئی تھی۔ بعد کو کسی نے اس کو ترتیب کیا۔ اور اپنی معلومات اور قابلیت کے موافق تلف شدہ مقامات کو مکمل کردیا۔ (شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی (خیابان))۔ لیکن موجودہ شاہنامہ صنعت لزوم کی قید سے آزاد ہے۔ اس میں بہت سے الفاظ عربی کے موجود ہیں۔

زگیتی پرستندهٔ فر نصر | زید شاد در سایهٔ شاہ عصر
اگر مہر شاں من حکایت کنم | چو محمود را صد حمایت کنم
بنام نبیؐ و علیؑ گفته ام | گہرہائے معنے بسے سفته ام
چہ گفت آں خداوند تنزیل وحی | خداوند امر و خداوند نہی

فردوسی طوس کے قریب ایک گانوں کا رہنے والا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ گانوں والوں کی زبان ٹھیٹ زبان ہوتی ہے۔ اور گانوں کی زبان میں غیر زبانوں کے الفاظ کم دخل پاتے ہیں۔ جس زمانہ میں کہ فردوسی تھا اُس زمانہ میں عربی الفاظ ایران کے شہری زبان میں بھی زیادہ مروج نہ ہوئے تھے۔ پھر گانوں کا تو کیا ذکر ہے۔ موجودہ شاہنامہ میں عربی الفاظ کی خاصی تعداد موجود ہے۔ پھر اس کو کس طرح اس عہد کا اور فردوسی کا کلام قرار دیا جاسکتا ہے۔ فردوسی نے جس جگہ اہم مضامین بیان کئے ہیں وہاں عربی الفاظ کا پتہ بھی نہیں۔ آفرینش عالم کے متعلق لکھتا ہے لیکن مادہ وجود عنصر وغیرہ وغیرہ الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ اور مطلب کو نہایت سلیس خالص فارسی میں کس زور سے بیان کرتا ہے۔

از آغاز باید که دانی درست | سرمایهٔ گوہراں از نخست
که یزداں ز ناچیز چیز آفرید | بداں تا توانائی آمد پدید

وزو مایۂ گوہر آمد چہار — بر آورد بے رنج و بے روزگار — الخ

(سرمایہ بمعنی مادہ۔ توانائی بمعنے وجود۔ گوہر بمعنی عنصر۔)

باوجودیکہ سترہ نسخوں سے ایک نسخہ ترتیب دیا گیا۔ لیکن اب جو نسخے موجود ہیں اُن میں بھی اختلاف اور کمی بیشی ہے۔ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد میں تین نسخے ہیں تینوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایسی حالت میں کوئی صاحب عقل سلیم باور نہیں کر سکتا کہ موجودہ شاہنامہ بجنسہ وہی ہے جو فردوسی نے لکھا تھا۔ پھر اس کے دیباچہ میں جو روایت لکھی ہے اور جو ہجو نقل کی گئی ہے وہ کیونکر قابل یقین قرار پا سکتی ہے۔ اور ایسی منتشر الحال کتاب کی بنا پر کسی مقتدر آدمی کو بدنام کرنا قرین انصاف ہو سکتا ہے۔

شاہنامہ کا دیباچہ

دیباچہ قدیم حسب تحقیق علامہ محمد قزوینی اُس شاہنامہ نثر کا ہے جو ابو المنصور بن عبد الرزاق طوسی نے ۳۴۶ھ میں ابو المنصور المعمری سے مرتب کرایا تھا۔ دیباچہ میں یہ عبارت ہے۔

"باز آغاز کارنامہ شاہاں از گرد آورندہ ابو المنصور المعمری دستور ابو منصور محمد بن عبد الرزاق ایدون گوید۔"

بعد کو فردوسی کے نظم کرنے کی سرگزشت الحاق کر کے شاہنامہ فردوسی کا دیباچہ قرار دیا گیا اور اس دیباچہ کو سب سے پہلے اٹھارویں صدی عیسوی میں یوروپین مستشرق ولین برگ نے شایع کیا۔

دیباچہ بایسنغر خانی۔ ۸۲۹ھ میں مرزا بایسنغر بن شاہرخ مرزا ابن امیر تیمور نے شاہنامہ پر دیباچہ لکھا ہے۔

پہلا دیباچہ تو ایک دوسری کتاب کا شاہنامہ کے سر مڑھا گیا۔ اور وہ بھی شاہنامہ کی تصنیف سے نو سو برس بعد شایع ہوا۔ دوسرا شاہنامہ کی تصنیف سے چار سو اٹھائیس ۴۲۸ برس بعد لکھا گیا۔ اور ان دیباچوں کی حفاظت کا کوئی کافی اطمینان نہیں کہ اپنے تحریر کنندہ کے زمانہ سے وقت اشاعت تک معتبر ذرایع سے محفوظ رہے۔ ان دیباچوں میں ایک

زبردست تاریخی غلطی ہے۔ شعرا دربار محمود میں عنصری وغیرہ کے ساتھ وہ رودکی کو بھی شامل کرتے ہیں۔ حالانکہ رودکی ۳۰۴ھ میں مر چکا تھا۔ پس ایسی صورت میں یہ دیباچے کیونکر قابل وثوق قرار دئے جا سکتے ہیں۔

شاہنامہ کا مصنف

شاہنامہ فردوسی کی تصنیف مشہور ہے۔ لیکن بروئے تحقیق اس کے تین مصنف ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں زیادہ حصہ فردوسی کا ہے۔ ایک ہزار اشعار اسمیں دقیقی کے شامل ہیں۔ (تذکرہ ہفت اقلیم و مجمع الفصحا) فردوسی کو خود بھی اس کا اقرار ہے۔

زگشتاسپ وارجاسپ بیتے ہزار بگفت و سر آمد درا روزگار

پذیرفتم و داشتم زو سپاس مرا در دل آمد ز ہر سو ہراس

یعنی گشتاسپ و ارجاسپ کے بیان میں ایک ہزار اشعار اوس نے لکھے تھے کہ وہ مر گیا میں نے اون اشعار کو شکریہ کے ساتھ شامل کر لیا۔

"استاد اسدی طوسی در روزگار سلطان محمود اوستاد فرقہ شعرا خراسان بود" "و ار ابکرات تکلیف نظم شاہنامہ کردند او پیری وضعیفی را بہانہ کردہ استعفا" "کرد و دیوان او ستارف نیست و در مجموعہائے شعرا بنظر نمی آید فردوسی را" "کہ شاگرد اوست ہمیشہ اشارت نظم شاہنامہ میکرد تا آخر چنان شد و چون" "فردوسی از غزنین گریختہ بطوس رفت و از انجا بہ رشمدار (قہستان) و طبرستان" "رفتہ باز بطوس مراجعت کرد در حین قرب وفات اسدی را بخواند و گفت وقت" "رحلت و از شاہنامہ قلیلے ماندہ و کسی را قوت نباشد کہ باقی را بقید نظم درآرد" "اسدی گفت اے فرزند غمگین مباش اگر حیات باشد من با تمام رسانم فردوسی" "گفت اے استاد تو پیری مشکل کہ این کار از تو کفایت شود اسدی گفت" "انشاء اللہ تعالیٰ بشود و در ہمان چند روز شروع کرد و از اول استیلائے" "عرب بر عجم تا آخر کہ چہار ہزار بیت میشود بقید نظم درآورد و فردوسی ہنوز زندہ" "بود کہ بنظر شکل گذرانید و از خوشحال شدہ بہ ذہن مستقیم اوستاد آفرین خواند" (تاریخ فرشتہ)

اسی طرح یہ روایت آتشکدۂ آذر میں بھی ہے۔

شاہنامہ تصنیف فردوسی بصنعت لزوم زبان فارسی تکملۂ آن حکیم اسدیؒ استاد فردوسی کردہ بود (خیابان)

اِن تینوں روایتوں سے صاف ثابت ہے کہ شاہنامہ تمام فردوسی کی تصنیف نہیں نہ اُس کی حیات میں مکمل ہوا۔ پھر اس کا دربار سلطانی میں مکمل پیش کرنا کیونکر صحیح مانا جاسکتا ہے۔

شاہنامہ کا سال آغاز

دیباچہ قدیم میں ہے کہ سلطان محمود نے فردوسی کو شاہنامہ کی تصنیف پر مامور کیا۔ ایسا ہی تاریخ فرشتہ سے ثابت ہے۔ فردوسی بھی ایک جگہ سبب تالیف یہی بیان کرتا ہے:۔

مرا نظم شہنامہ فرمود شاہ — در آں دم کہ بنشست شاداں بگاہ
کہ بخشد ز ہر بیت زر یک درم — ہر آنچہ آورم نظم از بیش و کم

فردوسی نے سنہ ۴۱۱ھ میں وفات پائی۔ اس میں سے (۳۵) تفریق کئے جائیں (یہ وہ مدت ہے جو تصنیف شاہنامہ کی فردوسی نے بیان کی ہے) تو شاہنامہ کا آغاز ۳۷۶ھ سے ماننا پڑیگا۔ اور اگر مدت تصنیف تیس سال تسلیم کیجائے تو سنہ ۳۸۱ھ سال آغاز ہوگا اور سلطان محمود سنہ ۳۸۷ھ میں تخت نشین ہوا تو محمود کی تخت نشینی سے گیارہ سال یا چھ سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ چہار مقالہ میں ہے کہ شاہنامہ سنہ ۴۰۰ھ میں مکمل ہوا تو (۴۰۰-۳۵= سنہ ۳۶۵ھ) یا (۴۰۰-۳۰= سنہ ۳۷۰ھ) تو اس حساب سے محمود کی تخت نشینی سے بائیس یا سترہ سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ شاہنامہ میں ایک جگہ فردوسی نے اس کا سال اختتام سنہ ۳۷۱ھ بیان کیا اور دوسری جگہ سنہ ۳۸۴ھ اس صورت میں اگر شاہنامہ کی مدت تصنیف چھ سال حسب روایت دیباچہ قدیم قرار دیجائے تو شاہنامہ سنہ ۳۶۵ھ یا سنہ ۳۷۸ھ میں شروع ہوا اگر بیس سال قرار دیجائے تو سنہ ۳۵۱ھ یا سنہ ۳۵۴ھ میں شروع ہوا اگر ۳۵ سال قرار دیجائے تو سنہ ۳۳۶ھ یا سنہ ۳۴۹ھ میں اس کی ابتداء ہوئی۔ چہار مقالہ میں ہے کہ سلطان نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو راستہ میں دشمن کے ایک قلعہ کے قریب قیام کیا اور اہل قلعہ

کو پیغام بھیجا کہ اطاعت کرو۔ قاصد کو جواب لانے میں دیر ہوئی تو سلطان نے وزیر کو کہا کہ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ اس پر وزیر نے یہ شعر پڑھا ؎

اگر جز بکام من آید جواب　　من و گرز و میدان و افراسیاب

اس موقع پر سلطان کو یہ شعر بہت پسند آیا۔ دریافت کیا یہ کس کا شعر ہے وزیر نے کہا یہ اُس ہی بدقسمت (فردوسی) کا شعر ہے جسنے پندرہ برس تک خونِ جگر کھایا اور کچھ نہ پایا اس روایت کی بنا پر یہ حساب برآمد ہوتا ہے کہ سلطان نے ہندوستان پر سنہ ۳۹۲ھ میں حملہ کیا تو گویا سنہ ۳۹۲ھ میں شاہنامہ مکمل ہوکر پیش ہوچکا تھا۔ اس میں سے ۳۵ سال مدت تصنیف تفریق کرنے سے سنہ ۳۵۷ھ حاصل ہوتے ہیں۔ یہ سال آغاز شاہنامہ کا ہوا تو گویا سلطان کی تخت نشینی سے تیس سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ سلطان نے ۳۲ سال حکومت کی۔ اور شاہنامہ ۳۵ سال میں ختم ہوا۔ اس صورت میں یا تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ تین سال قبل شاہنامہ شروع ہوا۔ یعنی سنہ ۳۵۴ھ میں۔ اور اگر سلطان کی فرمایش سے اسکا آغاز قرار دیا جائے تو سلطان کی وفات سے تین سال بعد ختم ہوا اور فردوسی نے اپنے مرنے سے گیارہ سال بعد شاہنامہ ختم کیا۔ ایک دوسرے حساب سے سنہ ۳۳۷ھ سے شاہنامہ کا آغاز معلوم ہوتا ہے فردوسی لکھتا ہے کہ میں نے بیس برس تک اس کو اس تلاش میں محفوظ رکھا کہ اس کو کس کے نام پر معنون کیا جائے۔ اور چہار مقالہ کے ہندوستان والی روایت سے انتہا درجہ پر سنہ ۳۹۲ھ میں شاہنامہ کا پیش ہونا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے (۳۹۲ - ۲۰ = ۳۷۲) اس میں سے ۳۵ سال مدت تصنیف تفریق کرنے سے سنہ ۳۳۷ھ حاصل ہوتے ہیں۔ بہرصورت شاہنامہ کی ابتدا محمود کی تخت نشینی سے برسوں قبل ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ روایت کسی طرح صحیح نہیں ثابت ہوتی محمود نے شاہنامہ کی فرمایش کی۔

سالِ اختتامِ شاہنامہ

چہار مقالہ میں شاہنامہ کی تاریخ اختتام سنہ ۳۸۴ھ درج ہے۔ فردوسی کے اقوال سے مختلف سنین میں اُس کا اختتام ثابت ہوتا ہے۔

چو سال اندر آمد بہفتاد و یک　　ہمی زیر شعر اندر آمد فلک

سنہ ۷۱

شاہنامہ کے پہلے اڈیشن موجودہ برٹش میوزیم میں اس کا سال اختتام ۳۸۴ھ فردوسی نے بیان کیا ہے۔

سر آمد کنون قصۂ یزدگرد ‌ ‌ ‌ بماہ سفندار مذ روز ارد
ز ہجرت شدہ سی صد از روزگار ‌ ‌ ‌ چو ہشتاد و چار از برش بر شمار

ایک جگہ ۴۰۰ھ بیان کرتا ہے۔

ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار ‌ ‌ ‌ کہ گفتم من این نامۂ شہریار

علامہ ابوالفتح علی بن محمد البنداری الاصفہانی نے جنہوں نے شاہنامہ کا عربی ترجمہ کیا ہے اس کا سال اختتام ۳۸۴ھ لکھا ہے۔ اگر شاہنامہ کی ابتدا سلطان کی فرمایش سے تسلیم کی جائے۔ اور یہ بھی خیال قائم کر لیا جائے کہ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلا جو حکم دیا وہ شاہنامہ نظم کرنے کا تھا تو سلطان ۳۸۷ھ میں تخت نشین ہوا اس میں اگر مدت تصنیف (۳۰) جمع کیا جائے ۴۱۷ھ میں شاہنامہ ختم ہوا۔ اور فردوسی نے ۴۱۱ھ میں وفات پائی تو فردوسی کے مرنے سے چھ سال بعد شاہنامہ ختم ہوا اور اگر مدت تصنیف ۳۵ سال خیال کیجائے تو ۴۲۲ھ میں شاہنامہ ختم ہوا گویا کہ فردوسی کے انتقال سے گیارہ سال بعد خان النجان کے متعلق جو روایت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے ۳۸۹ھ میں شاہنامہ مکمل ہو چکا تھا۔ چہار مقالہ کی ہندوستان والی روایت سے اس کا سال اختتام ۳۷۲ھ ثابت ہوتا ہے غرض کسی تاریخی حساب سے شاہنامہ کا سلطان کے دربار میں مکمل ہو کر پیش ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

شاہنامہ کی مدّت تصنیف

دیباچۂ قدیم میں ہے کہ شاہنامہ چھ سال میں تصنیف ہوا۔ چونکہ فردوسی اس کے خلاف بیان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت قابل التفات نہیں۔ فردوسی کے قول سے مدت تصنیف تیس و پینتیس ثابت ہوتی ہے۔

تیس ۳۰ سال

کنون عمر نزدیک ہشتاد شد ‌ ‌ ‌

گزان ہیچ شد رنج سی سالہ ام ‌ ‌ ‌ شنید آسمان از زمین نالہ ام

بسے رنج بردم دریں سال سی ٭ عجم گرم کردم بدیں پارسی ٭

پینتیس ۳۵ سال

چو بر باد دادند رنجِ مرا ٭ نبُد حاصلے سی و پنج مرا ٭

دوسری جگہ کہتا ہے۔

بسی سال و پنج از سرائے سپنج ٭ چنیں رنج بردم بامید گنج

چہار مقالہ میں اس کی مدت تصنیف پندرہ سال درج ہے چونکہ یہ مدت فردوسی کے بیان کے خلاف ہے اس لئے قابل تسلیم نہیں۔ چونکہ فردوسی سے تیس سال کی مدت میں جو دوسرا شعر نقل کیا گیا ہے بروئے قواعد شاعری وہ غلط ہے اسلئے اس شعر کی نسبت فردوسی کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اور پینتیس سال کی مدت دو صحیح اشعار سے ثابت ہے اسلئے یہی صحیح ہے۔

شاہنامہ کا مقام آغاز و اختتام

برٹش میوزیم کے شاہنامہ سے شاہنامہ کا خان النجان کے نام معنون ہونا ثابت ہے اسلئے شاہنامہ کا آغاز و اختتام دونوں طوس میں ہوئے۔ اور یہ سب کچھ محمود کی تخت نشینی سے قبل ہو چکا تھا۔ شاہنامہ میں فردوسی نے ۳۸۴ھ سال اختتام لکھا ہے اس سن میں محمود کی سلطنت کا وجود بھی نہ تھا۔

نشر صاحب کی روایت ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ شروع کر دیا تھا جب غزنین آیا تو سلطان سن کر خوش ہوا اور انعام کا وعدہ کیا۔ نظامی عروضی نے لکھا ہے کہ شاہنامہ طوس میں ختم ہو کر خواجہ احمد بن حسن میمندی کی معرفت پیش ہوا۔ تاریخ فرشتہ سے ثابت ہے کہ فردوسی شاہنامہ ختم کرنے سے قبل غزنین سے فرار ہوا۔ اور ادھر ادھر پھر کر طوس جا کر مرا اور شاہنامہ ناتمام چھوڑا۔ خیابان کی روایت اس کی مؤید ہے۔ تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ فردوسی جب غزنین سے نکلا تو شاہنامہ ناتمام تھا۔ غزنین سے فردوسی کا قبل از اختتام شاہنامہ فرار ہونا ثابت کرتا ہے کہ فردوسی کی فراری کا باعث شاہنامہ کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ کوئی دوسری وجہ تھی۔ ایک روایت ہے کہ فردوسی نے شاہنامہ اپنے شوق

سے طوس میں شروع کیا۔ اور تاریخی سرمایہ اُس کو اُس کے ایک دوست نے دیا فردوسی نے بھی اس واقع کو بیان کیا ہے۔

بہ شہرم یکے مہرباں دوست بود   تو گفتی کہ با من بہ یک پوست بود
مرا گفت خوب آمد ایں رائے تو   بہ نیکی خرامد مگر پائے تو
نوشتہ من ایں نامۂ پہلوی   بہ پیش تو آرم مگر معنوی
شو ایں نامۂ خسرواں باز گو   بدیں جوئے رزمیہمان آبرو
چو آورد ایں نامہ نزدیک من   برافروخت ایں جان تاریک من

غرض شاہنامہ کے آغاز و انجام کا تعلق غزنین سے ثابت نہیں ہوتا۔

شاہنامہ کا اختتام

برٹش میوزیم کے شاہنامہ میں اشعار ذیل ہیں۔ جنہیں فردوسی شاہنامہ کو ۳۸۹ سنہ میں ختم کرکے خان النجان (ایک ناحیہ ہے اصفہان کے قریب) کے رئیس احمد بن محمد بن ابی بکر الاصفہانی کے نام سے معنون کرتا ہے۔

اگر سال سر آزردت آمدست   نہم سال وہشتاد یاسی صدست
گرانمایہ احمد کہ ہم سال او ❖   بجو بد بہرجا از و آل او ❖
زبا باش جوئی تو نام درست   ابو بکر آخر محمد نخست
خداوند این دفتر بندہ کرد   لب ہر مرادم پر از خندہ کرد

قیاس چاہتا ہے کہ یہ مضمون صحیح ہے کیونکہ فردوسی دوسری جگہ کہتا ہے کہ میں نے اس کتاب کو مکمل کرکے بیس برس تک محفوظ رکھا۔ اور اس تلاش میں رہا کہ کس کے نام سے معنون کروں۔

سخن را نگہ داشتم سال بیست   کہ بینم سزاوار این گنج کیست

انگلستان کے نامور مستشرق پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب ادبیات عجم میں یہ تحقیق لکھی ہے کہ محمود کے دربار میں شاہنامہ کا سیکنڈ اڈیشن پیش ہوا تھا۔ اس پروفیسر کی تحقیقات کی بموجب سلطان کے فرمایش کرنے اور انعام وعدۂ انعام سب کی

دیباچۂ قدیم میں روایت ہے کہ فردوسی سلطان کے دربار سے علیحدہ ہوکر سلطان کے بھائی کے پاس خراسان گیا اور شاہنامہ پیش کرکے طالب انعام ہوا اور درخواست کی کہ سلطان سے سفارش کردے۔ اس روایت پر نظر کرنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے اگر فردوسی ہجو لکھتا تو کس منہ سے اور کس جرأت سے سلطان کے بھائی کے پاس جاتا اور صفائی کی سعی کرتا۔ اس موقع پر فردوسی نے اپنے اخراج کا باعث مخالفین کی دراندازی بیان کیا۔ انعام وغیرہ کا ذکر نہیں کیا داستان شیرین خسرو کے تمہید میں بھی وہ شاہنامہ کے ذکر کے بعد لکھتا ہے۔

حسد برد بدگوئے در کار من ؛ تبہ شد بر شاہ بازار من

فردوسی جب غزنین سے نکلا تو جامع مسجد کی دیوار پر لکھ گیا۔

خجستہ درگہ محمود غزنوی دریاست ؛ چگونہ دریا کان را کرانہ پیدا نیست
چو غوطہ ہا زدم واندرو نیافتم دُر ؛ گناہ بخت من است این گناہ دریا نیست

یہ رباعی برٹش میوزیم کے شاہنامہ پر بھی لکھی ہوئی ہے۔ الغرض فردوسی سلطان سے ناراض نہ تھا اس لئے وہ کیوں ہجو لکھتا۔

موجودہ ہجو فردوسی کی تصنیف نہیں

پہلے ہجو کی اصل روایت قابل غور ہے۔ چہار مقالہ میں ہے شاہنامہ برگرفت (فردوسی) وبطبرستان شد بنزدیک اسپہبد شہریار کہ از آل باوند در طبرستان پادشاہ او بود و آن خاندانیست بزرگ کہ نسب ایشان بہ یزدگرد شہریار پیوندد و پس محمود را ہجا کرد در دیباچہ صد بیت بر شہریار خواند و گفت من این کتاب را از نام محمود با نام تو خواہم کردن کہ این کتاب ہمہ اخبار آبا و اجداد تست شہریار او را بنواخت و نکوہائی فرمود گفت یا استاد محمود را بر آن داشتند و کتاب را بشرطے عرضہ نہ کردند و ترا تخلیط کردند و دیگر تو مرد شیعی و ہر کہ تولی بخاندان پیغمبر کند او را دنیاوی ہیچ کارے نرود کہ ایشان را خود نرفتہ است محمود خداوندگار من است تو شاہنامہ بنام او رہا کن و ہجو او بمن دہ تا بشویم و ترا اندک چیزے دہم۔ اس روایت سے

ہجو کا لکھنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن یہہ روایت عظیم الشان تاریخی اغلاط کا مجموعہ ہے۔ اسپہبد شہریار ۳۵۵ھ میں محمود کی تخت نشینی سے ۲۸ سال قبل فوت ہو چکا تھا۔ پھر شہریار کا یہ قول کہ "محمود خداوندگار من است" اور فردوسی کا اس کے دربار میں جانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ محمود کے عہد حکومت میں طبرستان کا بادشاہ قابوس بن وشمگیر تھا۔ اور محمود کا طبرستان پر اس زمانہ میں کچھ اثر نہ تھا اسلئے یہ فقرہ کہ "خداوندگار من است" سراسر غلط ہے۔ اس روایت میں فردوسی کہتا ہے شہریار سے کہ "این ہمہ اخبار آبا و اجداد تست"۔ کیا فردوسی اس سے بیخبر تھا کہ یہی محمود کے اجداد ہیں۔ یہہ فقرہ کہ "ہر کہ تو ئی بخاندان پیغمبر الخ" شہریار کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس زمانہ میں شیعہ صاحب تاج و تخت تھے۔ غرض آگے روایت کا ماحصل یہ ہے کہ شہریار نے ایک لاکھ روپیہ دیکر ہجو فردوسی سے لیکر تلف کر دی۔ چھ شعر اُس کی یادگار باقی رہ گئے۔ جب اس زمانہ میں چھ شعر رہ گئے تھے تو اب یہہ سینکڑوں کہاں سے پیدا ہو گئے۔ اس روایت میں چھ شعر کا باقی رہنا بیان کیا گیا ہے لیکن فردوسی خود کل کا تلف کر دینا بیان کرتا ہے۔ "ناصر لک (والی قہستان) بملایمت و مہربانی او (فردوسی) را از یکار (ہجو) منع کردہ کہ از اہل کمال سیما نسبت بہ بادشاہ ذی شوکت این سلوک پسندیدہ نیست۔ قولاً و فعلاً آنچہ متعلق بدلجوئی فردوسی بود بعمل آورد و التماس کرد کہ این سخنان را از دل و زبان واز دفتر محو سازد و فردوسی این وسوسہ را از خاطر بیرون کرد و از گفتہائے سابق پشیمان شدہ و آنچہ ہمراہ داشت بشست و این ابیات گفتہ بنا سرلک فرستاد۔

(۱) بغزنین مرا گرچہ خون شد جگر ٭ ز بیداد آن شاہ بیدادگر

(۲) کزان ہیچ شد پنج سی سالہ ام ٭ شنید آسمان از زمین نالہ ام

(۳) ہمی خواستم تا فغانہا کنم ٭ بگیتی ازان داستانہا کنم

(۴) بگویم ز مادرش و نیز از پدرش ٭ نترسم بغیر از خداوند عرش

(۵) کنمش آنچنان روسیاہ از بخت ٭ کہ نتواند آنرا بہ ہیچ آب شست

(۶) چو دشمن نمیداند از دوست باز ٭ بہ تیغ زبانش کشم پوست باز

(۷) ولیکن بفرمودہ محتشم ٭ ندانم کزین پیش سر چون کنم

(۸) فرستادم از گفتہ داشتم ٭ بنزدیک خود ہیچ نگذاشتم

(۹) اگر باشد این گفته ہا ناصواب ٭ بسوزاں بآتش بشویاں بآب

(۱۰) گزشتم ابا سرورِ نیک رائے ٭ ازیں داوری تا بدیگر سرائے

(۱۱) رسد لطفِ یزداں بفریادِ من ٭ ستاند بمحشر ازو دادِ من

(۳ و ۴ و ۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نظم ہجو فردوسی نے لکھی تھی اسمیں ماں باپ وغیرہ کا ذکر نہ تھا لیکن موجودہ ہجو میں ہے لہٰذا یہ ہجو وہ نہیں جو فردوسی نے لکھی تھی ان اشعار میں ایسا لکھنے کا ارادہ اور اس ارادہ کا ترک ظاہر کرتا ہے۔ (۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے کوئی نظم سلطان کے خلاف ضرور لکھی تھی مگر وہ ایسی فحش نہ تھی بلکہ کچھ معمولی شکایت کے طور پر تھی اگر موجودہ ہجو ہوتی تو (اگر باشد ایں گفتہ ہا ناصواب) نہ کہتا کیونکہ اس میں تو سراسر ناصواب کہا گیا ہے اور وہ ایسی نظم تھی کہ جسکے ناصواب ہونے میں شبہ تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سپہبد شہریار کے کہنے سے فردوسی نے ہجو تلف کی اور رفع ندامت کیلئے یہ اشعار لکھے ؎

حکیم گفت کسی را کہ بخت والا نیست ٭ بہیچ وجہ مراورا زمانہ جویا نیست
برو مجاور دریا نشین مگر روزے ٭ بدست افتدورے کنجاش ہمتا نیست
خجستہ حضرتِ محمود زاول آن دریاست ٭ چگونہ دریا کہ اورا کرانہ پیدا نیست
چو غوطہ ہا زدم و اندرو ندیدم دُر ٭ گناہِ بخت من است ایں گناہ دریا نیست

چہار مقالہ کی اس روایت میں فردوسی کا طبرستان جانا لکھا ہے تذکرہ دولت شاہ میں رستمدار (قہستان) لکھا ہے ریاض الشعراء میں تقی اوحدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعد از فرار از سلطان محمود بہ بغداد آمد و مدتے در دہلی بود۔ چہار مقالہ کی روایت میں ہے سو شعر ہجو کے تھے دیباچہ قدیم میں ہے کہ ہجو کے دو تین شعر لکھ کر ایاز کو دیدیئے اور روپوش ہوگیا ایاز نے عرصے بعد وہ کاغذ سلطان کے حضور میں پیش کیا سلطان برہم ہوا اور فردوسی کی گرفتاری کے لئے پچاس ہزار انعام کا اشتہار جاری کیا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اس روایت میں ایک بڑی غلطی یہ ہے آج اگر کوئی کسی چھوٹے زمیندار کے نوکر کو بھی کاغذ دے کہ وہ اپنے آقا کو دیدینا تو وہ جبتک تحقیق نہیں کر لیتا ہے کہ کیسا کاغذ ہے پیش کرنیکی جرأت نہیں کرتا۔ محمود کا مصاحب ایسا احمق تھا کہ بغیر دیکھے بھالے کاغذ سلطان کے روبرو پیش کر دیتا۔ پھر ایسے شخص کا کاغذ جو دربار سے ناخوش ہوکر جاتا تھا۔ ایاز فردوسی کا مخالف تھا۔ (تذکرہ دولت شاہ) تو فردوسی اس کو کیوں شعر دیتا اور وہ کیوں لیتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو بغیر سوچے سمجھے دیکھے بھالے نہ لیتا۔

مجالس المؤمنین میں قاضی نوراللہ شوستری (شیعہ مجتہد) نے پوری ہجو نقل کی ہے۔ کل (۶۹) اشعار ہیں اُن میں سے بھی بعض دیباچہ بایسنغر خانی کے ہیں اور بعض کسی نسخے میں نہیں ملتے۔ اب اس ہجو کے اشعار کی تعداد بھی مختلف ہے۔ نولکشوری مطبوعہ میں تعداد ہجو (۱۰۲) اشعار

و دیگر مطابع میں (۱۰۵ و ۱۳۴) بعض نسخوں میں (۲۰۰) یا اس سے زیادہ ہیں ۔ کتب خانہ آصفیہ کے تینوں نسخوں میں اس ہجو کے اشعار میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ ایک شاہنامہ میں ہجو کی ابتدا اس شعر سے ہے ۔

الا اے خسرو مسند صاحب جبر ٭ بگفتار و کردار من درنگر ٭

اس شعر میں بھی اختلاف ہے ۔ بعض میں صاحب جبر کی جگہ اہل ہنر ہے اور کردار کی جگہ اشعار ہے دوسرے نسخے میں ابتدا اس شعر سے ہے ۔

ایا شاہ محمود کشور کشائے ٭ زکس گر نترسی بترس از خدائے

اس شعر میں بھی اختلاف ہے ایا کی جگہ کسی میں الا اور کسی میں ایا ہے زکس کی جگہ بعض میں کہ کس ہے ۔ کشور کشائے کی جگہ کشور خدائے ہے زکس گر کی جگہ زکس در ہے ۔ تیسرے نسخے میں ابتدا اس شعر سے ہے ۔

بدان شہریارا کہ ایں روزگار ٭ نماند بسے بر کسے یادگار ٭

اس ہجو کے بعض اشعار کے بعض مصرعے شاہنامہ کے متفرق مقامات سے لئے گئے ہیں ۔ مثلاً ۔ پدر از صفاہان بُد آہنگرے) یہ مصرع گیو پر طنز کا ہے ۔

بعض مصرعے دوسرے شعرا کے مسروق ہیں مثلاً (فریدون فرخ فرشتہ نبود) یہ مصرع خواجہ سعدی علیہ الرحمہ کا ہے وہ فرماتے ہیں ۔

فریدون فرخ فرشتہ نبود ٭ زمشک و ز عنبر سرشتہ نبود
زداد و دہش یافت او نیکوی ٭ تو داد و دہش کن فریدون توی

فردوسی کا رتبہ شاعری میں تمام شعرا ایران سے بلند ہے ۔ استاد عزیزی نے کہا ہے

در شعر سہ کس پیمبر انند ٭ ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را ٭ فردوسی و انوری و سعدی

دوسرے استاد نے کہا "فردوسی در سخن خدا بود" چنانچہ اس ہی قول کی تائید میں فردوسی کے متعلق انوری لکھتا ہے ۔

آفرین بر روان فردوسی ٭ آن ہمایوں نہاد فرخندہ

او کہ او ستاد بود ماشاگرد ÷ او خداوند بود ما بندہ

مولانا نظامیؒ فرماتے ہیں۔

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس ÷ کہ آراست روئے سخن چوں عروس

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد ÷ کہ رحمت بر آن تربتِ پاک باد ÷

فردوسی کے زور کلام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے سخن کا خطاب اس کو زیبا تھا

شاہنامہ

پاسخ فریدوں سلم و تور را

چو بشنید شاہ جہان کدخدائے ÷ پیام دو فرزند ناپاک رائے

یکایک بمردگر انما یہ گفت ÷ کہ خورشید را چون توانی نہفت

نہانِ دل آن دو مرد پلید ÷ ز خورشید روشن تر آمد پدید

شنیدم ہمہ ہرچہ گفتی سخن ÷ نگہ کن کہ پاسخ چہ یابی زمن

بگو آن دو بے شرم ناپاک را ÷ دو بیداد بدمہر ناپاک را

اِن اشعار سے ہجو کے اشعار کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجو کے پست اشعار خدائے سخن کیا کسی معمولی شاعر کے بھی نہیں۔ بلکہ کسی ایسے شخص کے لکھے ہوئے ہیں جو فن شاعری سے نابلد تھا۔ ان دو سو اشعار میں شاید ایک شعر بھی ایسا نہیں کہ جس میں غلطی نہ ہو۔ سب کی غلطیاں اور اختلاف لکھنے کیلئے ایک جداگانہ رسالہ کی ضرورت ہے میں چند اشعار کی غلطیاں ظاہر کرتا ہوں۔ کیونکہ خدائے سخن کے نام پر تو ایک غلطی بھی کافی ہے۔

ایا شاہ محمود کشور کشائے ÷ زکس گر نہ ترسی بترس از خدائے

کشور کشائے مدح ہے۔ ہجو میں مدحیہ الفاظ کا لانا موزوں نہیں۔ شاعر کی قادر الکلامی پر دھبہ لگاتا ہے۔

کفِ شاہ محمود عالی تبار ÷ نہ اندر نہ آمد سہ اندر چہار

کف ۔ عالی ۔ عربی الفاظ ہیں ۔ شاہنامہ صنعت لزوم میں ہے اس لئے یہ شعر شاہنامہ کا نہیں ہوسکتا عالی تبار پر وہی پہلے شعر کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

ندیدی تو این خاطر تیز من + نیندیشی از طبع خونریز من

طبع ۔ عربی لفظ ہے۔ بعض نسخوں میں نیندیشی کیجگہ نترسیدی ہے۔ طبع کی صفت خونریز نہیں۔ خونریز شمشیر کی صفت ہے۔ اگر طبع کیجگہ تیغ کہا جائے تو یہاں اسکا محل نہیں۔ ایک شاعر دھمکیاں دے رہا ہے نہ کہ کوئی سپاہی۔ اگر طبع کی صفت خونریز فرض کر لیجائے تو وہ طبع معشوق کی ہوگی یا سپاہی کی۔ شاعر کی طبع کے لئے خونریز کسی طرح موزوں نہیں۔ کہیں خطابیہ اشعار ہیں ۔ جیسے

مرا سہم کردی کہ در پائے پیل + تنت را بسایم چو دریائے نیل

بعض نسخوں میں کردی کی جگہ دادی ہے ۔ دریا کا پاؤں کے نیچے پیسنا یا ملنا کسی زبان کا محاورہ نہیں ۔ نہ موزوں ہے خاک کا پاؤں نیچے ملنا یا پیسنا کہا جاسکتا ہے۔

کہیں جمع غائب ہے جیسے۔

مرا غمزہ کردند کان پرسخن + بمہر نبیؐ و علیؓ شد کہن

اس شعر کا کہنے والا ادائی مطلب پر قادر نہیں شاعر کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو شیعہ کہا گیا لیکن کہتا ہے مہر علیؓ و نبیؐ شد کہن ۔ مہر نبیؐ و علیؓ تو ہر مسلمان کا ایمان ہے سلطان محمود کا بھی یہی ایمان تھا ۔ کہنا چاہتا تھا کہ مجھ کو شیعہ کہا گیا ۔ مجھ کو خلفائے ثلاثہ سے بیزاری ظاہر کرنیوالا کہا گیا ۔ شاعر کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ گیا ۔

من از مہر این ہر دو شہ نگزرم + اگر تیغ شہ بررود بر سرم

یہ شعر بھی شاعر کے مطلب کو ادا نہیں کرتا ۔ کیونکہ مہر نبیؐ و علیؓ کے چھوڑنے کو تو کوئی مسلمان کہہ ہی نہیں سکتا ۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ میں شیعیت کو چھوڑنا نہیں چاہتا مگر نہیں کہہ سکا ۔ سنہ ۶۰۰ھ تک رسول کریم و ائمہؑ و صحابہؓ کیلئے شہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا ۔ شاہنامہ سنہ ۔۔ھ کی تصنیف ہے ۔ اس لئے یہ شعر شاہنامہ کا نہیں سنہ ۶۰۰ھ کے بعد کا ہے ۔ دونوں مصرعوں میں شہ آیا ہے ۔ یہ بھی خفیف عیب ہے ۔

برین بودہ ام ہم برین بگذرم + ثناگوئے پیغمبرؐ م و حیدرؓ م

دوسرے نسخہ میں یوں ہے۔ یقین دان کہ خاکِ در حیدرم۔ یہ شعر بھی اپنا مطلب پورا نہیں کرتا ہے۔ اس پر بھی مذکورہ بالا دونوں شعروں والا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

بعض اشعار ایسے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا کہنے والا کوئی اور ہے فردوسی نہیں۔ جیسے۔

کہ فردوسی طوسی پاک جفت ÷ نہ ایں نامہ بر نام محمود گفت
چو فردوسی اندر زمانہ نہ بود ÷ بداں بد کہ بخشش یگانہ نبود

ہر آنکس کہ در دلش بغض علیست ÷ ازو در جہان خوار تر گو کہ کیست
پہلے مصرع میں دِلش کی جگہ دِلش پڑھا جائیگا تو مصرع ملیگا۔ دلش کوئی لفظ نہیں۔

جہاں تا بود شہریاران بود ÷ پیامم بر تاجداران بود
شہریاراں جمع ہے اس لئے جمع کا صیغہ بودند آنا چاہئے تھا۔ اگر پہلے مصرع میں بودند پڑھا جائے تو دوسرے میں بودندے مصرع مہمل ہوتا ہے۔

ہر آنکس کہ شعر مرا کرد پست ÷ نگیردش گردوں گردندہ دست
دوسرا مصرع نہیں ملتا۔ اور یہ شعر کہیں شاعروں کے معرکہ کا ہے۔ شاہنامہ کے متعلق تو پستی و بلندی کا سوال ہی نہ تھا۔ یہ ہجو تو انعام کے جھگڑے پر لکھی گئی ہے اسلئے یہ شعر بے محل ہے۔

چو پرویز و ہرمز چو پورش قباد ÷ چو خسرو کہ پرویز نامش نہاد
شاہنامہ شاہانِ ایران کی تاریخ ہے اور فردوسی مؤرخ قدیم ہے اس شعر میں عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔ مصرع اولی سے ثابت ہوتا ہے کہ پرویز کا بیٹا ہرمز تھا۔ لیکن ہرمز کا بیٹا پرویز تھا۔

پئے افگندم از نظم کاخ بلند ÷ کہ از باد و باراں نیابد گزند ÷
پئے کے معنی واسطے یا پاؤں یا پیچھے ہیں۔ اس شعر میں بنیاد کے معنے میں استعمال کیا گیا ہے۔ کاخ کے لئے پئے افگندن غلط محاورہ ہے۔ جس کو اساتذہ نے کبھی استعمال نہیں کیا۔

بر بادشہ پیکرم زشت کرد ÷ فروزندہ اخگر چو انگشت کرد

بعض نسخوں میں پیکرم کی جگہ صورتم ہے۔ انگشت یعنی انگیٹھی انگر کے لئے یہاں زغال یعنی کوئلہ آنا چاہئے تھا۔ انگشت ناموزون ہے۔

چو گفتار شه می کند زر به سیم ÷ نباشد همین نام او جز لئیم

لئیم عربی لفظ ہے اور زر بسیم کے معنی ہوئے سونا چاندی ملانا۔ لیکن شاعر کہنا چاہتا ہے سونے کے بدلے چاندی۔ یہ مصرع مطلب ادا نہیں کر سکا۔

نکردی تو در نامه سن نگاه ÷ که روزی نبودت نکوئی زشاه

مصرع آخر میں شاہ صرف قافیہ کے لئے معلوم ہوتا ہے جو ایک نہایت معیوب امر ہے شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اے بادشاہ تیری قسمت میں نیکی نہ تھی۔ اور مصرع کا مطلب ہے کہ تیری قسمت میں بادشاہ سے نیکی نہ تھی۔

محمود کو مخاطب کر کے شاہان ایران کے نام گنا کر کہتا ہے۔

همه داد کردند بر زیر دست ÷ نبودند جز پاک یزدان پرست
نکردند جز خوبی و راستی ÷ نگشتند گرد کم و کاستی

یہ بیان تاریخ کے خلاف ہے۔ اسلئے فردوسی مورخ کا بیان نہیں۔ کیونکہ شاہان ایران میں ضحاک بہرام ثانی یزدجرد الاثیم بڑے بڑے ظالم گزرے ہیں۔ کم و کاستی محاورہ نہیں۔ کم و کاست یا کمی و کاستی ہے۔ فردوسی اس محاورہ کو خود شاہنامہ میں اسطرح استعمال کرتا ہے۔

هنر مردمی باشد و راستی ÷ ز کژی بود کمی و کاستی

مرا زین جهان بی نیازی دهد ÷ میان یلان سرفرازی دهد

یلان یعنی پہلوانان۔ یہ لفظ بے محل ہے۔ میدان جنگ یا اکھاڑا نہیں فردوسی کوئی سپاہی یا رسالدار نہ تھا۔ علمی بزم ہے سخنوران یا علماء ہونا چاہئے تھا۔

ور از جوی خلدش بهنگام آب ÷ به بیخ انگبین ریزی و شهد ناب

انگبین اور شہد ایک چیز ہے۔ یہ استعمال مترادفات غلط ہے۔

تردید ہوگئی۔

دوسری جگہ فردوسی اپنے پہلے قول کے خلاف کہتا ہے۔

جہاں تا بود شہریاراں بود ... پیامم بر تاجداراں بود

کہ فردوسی طوسی پاک جفت ... نہ ایں نامہ بر نام محمود گفت

بنام نبی و علی گفتہ ام ... گہرہائے معنے بسے سفتہ ام

یہاں نبی و علی کے نام سے معنون کرتا ہے لیکن اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر فاترالعقل تھا۔ کیونکہ کسی کتاب کو کسی بڑے آدمی کے نام سے معنون کرنیکا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خوش ہو۔ اب خیال کر لیا جائے کہ کفار و مشرکین کی مبالغہ آمیز مدح اور معنون ہو نبی و علی کے نام پر۔ فردوسی نے تصنیفِ شاہنامہ کو خود بھی گناہ شمار کیا ہے جیسا کہ آگے مذکور ہوگا۔ پس گناہ کے کام کو نبی و علی کے نام پر معنون کرنا۔ یہ کام کوئی صاحب عقل تو کر نہیں سکتا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی قصیدہ لکھے مدح میں سلطان صلاح الدین کی۔ اور اس کو ڈیڈیکیٹ کرے مسٹر گلیڈسٹون کے نام یا مدح لکھی محمود کی اور معنون کرے پنڈت دیانند کے نام اور پھر یہ امید رکھے کہ اس مستحسن فعل سے اونکی ارواح اور اون کے متبعین مجھ سے خوش ہونگے۔ بہرحال کسی کے نام معنون ہوا ہو۔ سلطان محمود کے نام پر معنون کرنیسے خود فردوسی کو انکار ہے۔

فردوسی نے کس عمر میں شاہنامہ تصنیف کرنا شروع کیا

ہجو میں فردوسی کا شعر ہے۔

کنون عمر نزدیک ہفتاد شد ... امیدم بہ یکبارہ برباد شد

اور ہجو اور اختتام شاہنامہ کو ۴۰۰ھ میں قرار دیا جاتا ہے تو ۴۰۰ھ میں فردوسی زیادہ سے زیادہ (۶۹) برس کا تھا۔ اس لئے اس کی ولادت ۳۳۱ھ کی ہوئی اور ایک حساب سے جیساکہ پہلے لکھا جا چکا ہے شاہنامہ کا آغاز ۳۷۰ھ سے ثابت ہوتا ہے اسلئے فردوسی نے چھ سال کی عمر میں شاہنامہ تصنیف کرنا شروع کیا۔ یہ روایت بھی نقل کیجا چکی ہے کہ فردوسی دربار محمود سے فرار ہو کر جب طوس پہنچا تو وہ بھی اس کام کو یعنی تصنیف شاہنامہ کو گناہ سمجھا۔ اور اس افسوس میں اس نے وہ اشعار لکھے (دریغا جوانی دریغا جوانی)

تو یہ اشعار بھی سنہ [illegible]ھ ہی کے قرار دئے جاسکتے ہیں۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ میں اس کام میں یعنی مبالغہ آمیز شاعری میں (۶۲) برس مبتلا رہا اور سنہ [illegible]ھ میں وہ (۶۹) برس کا تھا تو گویا ۷ سال کی عمر میں وہ شاعری کرتا تھا۔

فردوسی اور دربار سلطانی

فردوسی کے دربار سلطانی میں رسائی پانے کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ جو تمام تذکروں میں موجود ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سلطان نے اس کا آوازۂ سخن سن کر اس کو طلب کیا دوسری روایت یہ ہے کہ وہ سلطان کی سخاوت و قدردانی کو سن کر آیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ وہ دربار سلطانی میں ایک فریاد لے کر آیا۔ چوتھی روایت یہ ہے کہ دربار سلطانی میں مشاعرہ تھا۔ فردوسی بھی پہنچ گیا اور اس نے وہاں یہ مصرع کہا (مانند سنان گیو در جنگ پشن) اسپر سلطان نے اوس کو زمرۂ شعرا میں داخل کیا۔ پانچویں روایت یہ ہے کہ عنصری وغیرہ شعرا باغ میں بیٹھے تھے فردوسی پہنچ گیا۔ وہ ایک مصرع پر طبع آزمائی کر رہے تھے اسپر فردوسی نے مذکورۂ بالا مصرع کہا۔ عنصری کو بہت پسند آیا۔ اُسنے فردوسی کو دربار سلطانی میں پیش کیا۔ چھٹی روایت یہ ہے کہ ماہک نے اُس کی تقریب دربار سلطانی میں کی۔

شاہنامہ اور سلطان کی سرپرستی

فردوسی ایک جگہ منصور بن محمد (والیٔ طوس) کو شاہنامہ کا سرپرست بتلاتا ہے

بدیں نامہ چوں دست کردم دراز — یکے مہتری بود گردن فراز
جواں بود از گوھر پہلواں — خردمند و بیدار و روشن رواں
مرا گفت کز من چہ آید ھمی — کہ جانت سخن بر گراید ھمی

ایک جگہ علی دیلم اور بودلف کو سرپرست کہتا ہے۔

ازان نامور نامداران شہر — علی دیلم و بودلف راست بہر

اگرچہ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ سلطان نے شاہنامہ کی فرمائش کی۔ لیکن گزشتہ اوراق میں تاریخی حساب اور مدلل واقعات سے اس کی کافی سے زیادہ تردید ہوچکی ہے۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ سلطان نے ہرگز ایسی فرمائش نہ کی ہوگی۔ کیونکہ سلطان کو ایک متعصب دیندار کہا جاتا ہے۔ پس ایسا شخص کفار کی مداحی پہ ساٹھ ہزار اشرفی خرچ نہیں کرسکتا۔ اگر رزمیہ نظم کا شوق ہوتا تو سلطان کے سامنے تاریخ اسلام کا وسیع میدان موجود تھا۔ جس پر رقم خرچ کرکے دنیا کی ناموری کے علاوہ فلاح عقبےٰ کی امید بھی کرسکتا تھا۔ سلطان کی تو ایک عظیم الشان ہستی تھی۔ فردوسی کے اس کام کو تو معمولی مسلمانوں نے بھی پسند نہیں کیا۔ چنانچہ چہار مقالہ میں روایت ہے کہ فردوسی شہریار کے پاس طبرستان شاہنامہ کو لیکر گیا۔ اور اس کے نام معنون کرنا چاہا۔ لیکن اس نے انکار کیا۔ اور سلطان محمود کی ہجو تلف کرنے کے معاوضہ میں کہا۔ (ترا اندک چیزے دہم۔) اس ہی زمانہ میں شاہنامہ کے رد و جواب میں عمرنامہ تصنیف کیا گیا۔ آشوب تورانی اسی وجہ سے فردوسی سے نہایت برافروختہ ہے۔ اوس کے متعلق کہتا ہے۔

لیکن موبد نان مجوس — بہر دخمۂ نوحہ خوان مجوس
دلش گبر و جان گبر و گبری زبان — زگبران بگبری زبان قصہ خوان
نویسندۂ داستان مغان — بزرگی دہ خاندان مغان

صولت فاروقی

اسرارنامہ میں خواجہ عطار نے ایک روایت لکھی ہے کہ خواجہ ابوالقاسم خرقانی سے فردوسی کے نماز جنازہ پڑھنے کو کہا گیا تو خواجہ نے فرمایا۔

چنیں گفت او کہ فردوسی بسے گفت — ہمہ در حق گبرا کسے گفت
مرا در کار او برگ ریا نیست — نمازم برچنیں شاعر روا نیست

خواجہ سعدیؒ شیرازی اس طرح اظہار ناراضی کرتے ہیں۔

اگرچہ چاہ نصرانی نہ پاک است — جہود مردہ می شوئی چہ باک است

چنانچہ آشوب تورانی اس ہی شعر کی طرف اشارہ کرکے فردوسی کو مخاطب کرتا ہے

ازیں بیشتر سعدیؒ بے بدل — بحق تو گویا سرود ایں مثل

کہ گر چاہِ نصرانیان نیست پاک — بشوئی اگر مردہ گبرے چہ باک

فردوسی نے خود بھی اپنے اس کام کو گناہ شمار کیا ہے چنانچہ ریاض الشعراء میں ہے

حکیم مذکور (فردوسی) بعد از گفتن شاہنامہ و رفتن از غزنین بکفارۂ آن یوسف زلیخا در ہمان بحر گفتہ است اور فردوسی لکھتا ہے۔

بسے رنج دیدم بسے گفتہ خواندم — ز گفتار شاہان و از پہلوانی
بچندیں ہنر شصت و دو سال بودم — کہ توشہ برم زان شکار و نہانی
بجز حسرت و جز وبال گناہان — ندارم کنون از جوانی نشانی
بیاد جوانی کنون مویہ دارم — دریغا جوانی دریغا جوانی

الغرض عقل و نقل کسی صورت سے شاہنامہ کا سلطان کی فرمایش سے لکھا جانا ثابت نہیں ہوتا۔

انعام کا وعدہ اور انعام

فردوسی آسمان سے اپنی بربادی کی شکایت کرتا ہے اور اپنی ایک ایک مصیبت کو گنتا ہے۔ مگر انعام اور وعدۂ انعام کا ذکر نہیں کرتا۔ اگر یہ امر واقعہ ہوتا تو اس مصیبت عظیمہ کو کیوں بھول جاتا۔ چہار مقالہ میں روایت ہے۔

"اما خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی منازعان داشت و پیوستہ خاک تخلیط"
"در قدح جاہ او (فردوسی) ہمی انداخت۔ محمود بہ آن جماعت تدبیر کرد کہ فردوسی"
"را چہ دہیم۔ گفتند پنجاہ ہزار درہم و این بسیار است کہ او رافضی است"

اگر انعام کا پہلے سے وعدہ اور تعین ہو گیا ہوتا تو اس مشورہ کی کیا ضرورت تھی کہ "فردوسی را چہ دہیم"۔ اسی مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہنامہ طوس میں ختم ہو کر احمد بن میمندی کی معرفت پیش ہوا۔ لیکن خواجہ کے مخالفوں نے فردوسی کو رافضی وغیرہ ثابت کر کے پچاس ہزار درہم دینے پر رضامند کیا۔ ان دونوں روایتوں کے خلاف دیباچہ بایسنغر خانی کی روایت ہے۔ (ارکان ازین جہت با فردوسی انواع خلق و محبت و کرم ہمی نمودند و فردوسی در مدح الشان سخن گفتے۔ حسن میمندی ازین جہت با فردوسی مظنونہ داشتے)۔ اسی حسن میمندی

کی فردوسی ہجو کرتا ہے۔

زمیمندی آئین مردی مجو ✦ زنام ونشانش مکن جستجو
قلم بر سر او بزن ہجو من ✦ کہ گم باد نامش بہر انجمن
بگفتہ حسن گر بہ یادہ گوئے ✦ نشاید شنیدن سخن زشت روئے

لیکن یہ ایک عظیم الشان تاریخی غلطی ہے۔ فردوسی محمود کے دربار میں موجود تھا وہ تمام امرا و وزرا کو جانتا تھا۔ محمود کے وزرا میں کوئی حسن میمندی نہیں تھا۔ حسن میمندی سبکتگین کا درباری تھا۔ جب سبکتگین نے قصبہ بست کو فتح کیا تو ضبط اموال پر حسن میمندی کو مامور کیا۔ اس میں خیانت ثابت ہوئی۔ سبکتگین نے حسن میمندی کو قتل کرا دیا ان سب کے خلاف دیباچۂ قدیم کی روایت ہے کہ فردوسی عنصری کی معرفت دربار میں آیا۔ اور شاہنامہ کی نظم پر مامور ہوا۔ داستان سیاوش کے ایک ہزار اشعار نمونہ کے طور پر پیش کرکے ایک ہزار دینار انعام پایا۔" (آگے لکھا ہے) کہ شاہنامہ ختم ہونے پر سلطان کے میر منشی ابو سہل ہمدانی نے عرض کی کہ ایک شاعر کو اسقدر کثیر رقم نہ دیجائے۔ اس ہی دیباچہ میں لکھا ہے کہ فردوسی سلطان کے دربار سے نکلکر امیر ابو المظفر نصر بن ناصر الدین) سلطان کا بھائی) کے پاس گیا۔ اور اس سے درخواست کی کہ وہ سلطان سے اس کی سفارش کردی لیکن انعام اور وعدہ انعام کا ذکر نہیں کیا۔ اور سب کچھ کہا۔ اور چہار مقالہ میں یہ بھی روایت ہے کہ فردوسی شاہنامہ لے کر طبرستان گیا۔ والئی طبرستان سے سب کچھ کہا مگر وعدہ انعام کا ذکر نہیں کیا۔ الغرض اگر انعام کا وعدہ او تعین ہوا ہوتا تو ان خاص موقعوں پر فردوسی اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فردوسی کو انعام کی زیادہ پروا نہ تھی۔ چنانچہ دیباچہ بایسنغرخانی میں ہے فردوسی گفت کہ حضرت حق عزشانہ درازل چنان تقدیر فرمودہ بود کہ ایں کتاب برزبان من تمام شود مرا در مال سلطان طمع نیست وبجاہ و نصرت حسن میمندی احتیاج ندارم"

من بیش کز مبادئ فطرت نبودہ ام ✦ مایل بمال ہرگز وطامع بجاہ نیز
سوئے در وزیر چرا ملتفت شوم ✦ چوں فارغم زبارگہ بادشاہ نیز

لالہ تلسی رام لکھتے ہیں بروئے تحقیقات یہ صحیح ثابت نہیں ہوتا کہ محمود نے فردوسی سے انعام کا وعدہ کیا تھا۔ اور پھر وعدہ خلافی کی۔ بلکہ فردوسی کے معتوب ہونیکا اصلی

سبب مذہب یعنی شیعہ ہونا تھا۔ جو محمود جیسے متعصب کو گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ (واقعاتِ ہند)

فردوسی کا مذہب

یہ مسئلہ بھی عقدہ لاینحل ہے شاہنامہ ہی سے وہ شیعہ ثابت ہوتا ہے۔

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے ٭ بنزد نبی و وصی گیر جائے ٭
برین زادم و ہم برین بگذرم یقین دان کہ خاک در حیدرم

اور شاہنامہ ہی سے وہ معتزلی ثابت ہوتا ہے۔

بہ بینندگان آفرینندہ را ٭ نہ بینی مرنجان دو بینندہ را

اور شاہنامہ ہی سے وہ سنی ثابت ہوتا ہے۔

چہ گفت آن خداوند تنزیل وحی خداوند امر و خداوند نہی
کہ خورشید بعد از رسولان مہ نتابید بر کس ز بوبکرؓ بہ
عمرؓ کرد اسلام را آشکار بیاراست گیتی چو باد بہار
پس از ہر دو آن بود عثمانؓ گزین خداوند شرم و خداوند دین
چہارم علیؓ بود جفت رسولؐ ٭ کہ او را بخوبی ستاید رسولؐ

اور شاہنامہ ہی سے وہ یہودی اور آتش پرست ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ پر تبرا کرتا ہے اور ان کے مصلوب ہونیکو بیان کرتا ہے۔

مسیح فریبندہ خود کشتہ شد چو از دین یزدان سرش گشتہ شد

آشوب طورانی اس کو لامذہب قرار دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے۔

نہ سنی نہ شیعی نہ مغ نے جہود ٭ نہ ترسا ندانم ترا دین چہ بود
نہ ہر مذہبے فارغ از ملحدے ٭ ز دیرے برون خارج از مسجدے

مولانا نظامی گنجویؒ اور امام غزالیؒ اس کو سنی لکھتے ہیں۔ خواجہ ابوالقاسم کی جو روایت پہلے نقل کیگئی ہے اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر فردوسی شیعہ ہوتا تو خواجہ سے اس کی نماز کی فرمایش نہ کی جاتی۔ اور کی جاتی تو خواجہ یہی جواب دیتے کہ میں شیعہ کی نماز نہیں پڑھتا یہ نہ کہتے کہ (نمازم برچنین شاعر روا نیست)

"کیا مشکل ہے کہ فردوسی کے متعلق خود اسکے اور دوسروں کے جسقدر اقوال ملتے ہیں وہ بجائے معاملے کو صاف کرنے کے اور اُلجھاتے ہیں۔ یہ خواجہ ابوالقاسم کے متعلق بھی روایت موضوع معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسرار نامہ کے مصنف خواجہ عطار سعد ایت بیان کریں خواجہ ابوالقاسم کی۔ دونوں حضرات اسلام کے امام اور مسئلہ بیان کریں غلط۔ ایسا مسئلہ جس کو ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ مسلمان فاسق کی نماز نہیں چھوڑی جاسکتی"۔

اس طرح خواجہ سعدیؒ کے متعلق وہ شعر بھی الحاقی معلوم ہوتا ہے "اگرچہ چاہ نصرانی نہ پاک است" کیونکہ خواجہ سعدیؒ ائمہ اسلام میں سے ہیں۔ وہ ایسے معمولی مسئلے ناواقف نہیں ہوسکتے کہ چاہ نصرانی کو خواہ مخواہ ناپاک لکھدیں۔

سلطان متعصب نہ تھے

سلطان محمود کی رواداری بروئے تاریخ مسلم ہے۔ سلطان نے ہندوستان میں ہندوؤں کو ملک بخشی کی۔ جلیل القدر عہدے دئے۔ شیعہ فاضل البیرونی سلطان کا مصاحب تھا۔ شیعہ شاعر عضاتری رازی کو کشمیر انعام دیا۔ سلطان کی دو لڑکیاں دو شیعہ شہزادوں منوچہر بن قابوس و عنصر المعالی کیکاؤس کو بیاہی گئیں۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ فردوسی کو رافضی سمجھ کر انعام نہیں دیا۔ وزیر میمندی خارجی المذہب تھا۔ الغرض سلطان کے دربار میں مختلف عقاید و مذاہب کے آدمی جمع تھے۔

ہجو گوئی

ایشیائی شعرا ہجو گوئی میں مشاق اور اس کے مشتاق ہوتے ہیں۔ مرزا سودا کا قول ہے جو ہجو نہیں کہتا وہ آدھا شاعر ہے۔ شاعر آج جس کی ہجو لکھتا ہے کل اُس کی طرف سے کچھ فائدہ ہونے پر اس کی مدح میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے کوئی امر

حق ہو یا ناحق۔ اگر شاعر کے خلاف مزاج ہوا وہ فوراً ہجو لکھیگا۔ پس کسی شاعر کے ہجو لکھنے سے کسی مقتدر ہستی کے اخلاق و عادات پر حملہ کرنا دیانتداری کے خلاف ہے۔ فردوسی کے واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہجو گو تھا۔ اور اسنے اپنے کئی محسنوں کی ہجو لکھی ہے۔ دقیقی مر چکا تھا۔ اُس کے ایک ہزار شعر اسنے شاہنامہ میں ممنونیت کے ساتھ شامل کئے یہ روایت پیشتر نقل کی جا چکی ہے۔ لیکن پھر اس مرحوم کو اس لفظ سے یاد کرتا ہے۔

من ایں زمان نوشتم کہ تا شہریار ✣ بداند سخن گفتن نا بکار ✣

دقیقی کے متعلق ایسے سخت الفاظ لکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاعر حق پوش ناحق کوش کاذب تھا۔ کیونکہ دقیقی کا کلام کسی طرح اس کے کلام سے کم نہیں۔ فردوسی کی طرح دقیقی بھی عربی الفاظ کے استعمال سے بچتا ہے۔ شاہنامہ کے چند اشعار نقل کئے جا چکے ہیں دقیقی کا نمونہ بھی لکھا جاتا ہے۔

نیایش ہمی کرد خورشید را ✣ چناں بُردہ بد راہ جمشید را ✣
چو گشتاسپ برشد بہ تختِ پدر کہ فرِ پدر داشت بخت پدر
بسر بر نہاد آں پدر دادہ تاج کہ زیبندہ باشد بر آزادہ تاج
منم گفت یزدان پرستندہ شاہ مرا ایزد پاک داد ایں کُلاہ
بداں داد مارا کلاہ بزرگ کہ بیروں کنیم از رمہ میش گرگ

عنصری شاعر نے اس کو شاہی دربار میں داخل کرایا (تذکرہ دولت شاہ) مگر اس نے عنصری کی ہجو لکھی۔

بگوشش از سروشم بسے مژدہاست دلم گنجِ گوہر زبان اژدہاست
چہ سنجد بہ میزانِ من عنصری ✣ گیا چوں کشد پیش گلبن سری

پس اس محسن کش نے اگر سلطان جیسے محسن کی ہجو بھی کی تو وہ اس ہی کی رذالت کو ثابت کریگی۔

فردوسی نے ہجو نہیں لکھی

زخسرو نژادے زوالا سرے ؎ پدر از صفا ہان بد آہنگرے ؎

دونون مصرعوں میں ربط نہیں۔ بعض نسخون میں ہے (نہ خسرو نژادے نہ والا سرے) دوسرا مصرع اگر تنہا پڑھا جائے تو سامع فیصلہ نہیں کرسکتا کہ شاعر اپنے باپ کو کہتا ہے یا دوسرے کے۔

بسے رنج بردم درین سال سی ؎ عجم گرم کردم بدین پارسی

بعض میں عجم گرم کردم کیجگہ عجم زندہ کردم ہے۔ عجم عربی لفظ ہے سال کے نیچے کسرہ پڑھا جائیگا جب صحیح رہیگا ورنہ سالسی کوئی لفظ نہیں اور یہی کسرہ مصرع ثانی میں پڑھا جائیگا تو مصرع ثانی کا قافیہ مہمل ہوجائیگا اور اگر نہ پڑھا جائیگا مصرع اولیٰ کا قافیہ مہمل رہیگا۔

کنون عمر نزدیک ہفتاد شد ؎ امیدم بیکبارہ برباد شد

عمر عربی لفظ ہے اگر پہلا مصرع تنہا پڑھا جائے تو سامع کو معلوم نہ ہوسکیگا کہ کسکی عمر کو شاعر کہتا ہے

چو دیہیم دارش نہ بد در نژاد ؎ ز دیہیم داران نیاورد یاد۔

یہہ مضمون تاریخ کے خلاف ہے۔ چونکہ فردوسی مورخ بھی تھا اس لئے ایسی فاش غلطی کی جرات نہیں کرسکتا تھا۔ محمود کا نسب نامہ کتابوں میں اسطرح مذکور ہے۔

محمود بن سبکتگین بن قر محکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا لمغان بن فیروز بن یزدجرد شہنشاہ ایران (تاریخ فرشتہ)۔ سبکتگین اصل میں ایک شہزادہ ایران کا تھا۔ (ہسٹری آف انڈیا۔ جارج ان کننگ) دونون مصرعوں میں دیہیم دار ہے ایک میں کوئی دوسرا لفظ ہونا چاہئے تھا۔ اساتذہ حتی الامکان اپنے کلام کو اس خفیف عیب سے بھی پاک رکھتے ہیں۔

اگر شاہ را شاہ بودے پدر۔ ؎ بسر بر نہادے مرا تاج زر

یہہ بھی تاریخ کے خلاف ہے۔ محمود سبکتگین کا بیٹا تھا اور سبکتگین بادشاہ تھا۔ اہل کمال ہجو اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ جس سے صراحت کے ساتھ واقعیت کی نفی نہ ہو۔

وگر مادر شاہ بانو بدے۔ ؎ مرا سیم و زر تا بزانو بدے

یہہ بھی واقعیت کے خلاف ہے محمود کی والدہ زابلستان کے ایک امیر کی بیٹی تھی۔ (واقعات ہند) بانو بیوی کو کہتے ہیں۔ محمود کی ماں سبکتگین کی بیوی تھی۔ لیکن شاعر لونڈی زادہ کہنا چاہتا ہے جیسا کہ اگلے شعر میں کہتا ہے۔

پرستارزادہ نیاید بکار ٭ اگرچہ بود زادۂ شہریار

اس مطلب کیلئے بانو کا لفظ صحیح نہیں۔ شریف ونجیب وغیرہ کوئی لفظ ہونا چاہئے تھا بعض نسخوں میں اگرچہ بود کی جگہ وگرچند ہے۔

چو سلطان دین نبیؐ و علیؓ ۔ ٭ بفر الٰہی و شاہ ولی ٭

یہ شعر مہمل ہے۔

بد اندیش را روئی نیکی مباد ٭ سخنہائے نیکم بہ بد کرد یاد ٭

بہ بد کرد یاد ایک حرف کا دوبار متصل شعر میں آنا۔ جیسا کہ یہاں (ببد) میں ہے معیوب ہے۔ تنافر ہے۔

اس ہجو میں علاوہ اس کے کہ کثرت سے عربی الفاظ ہیں جو فردوسی کی زبان کے خلاف ہیں۔ ایک یہ بھی بات ہے کہ اسمیں ایسے محاورات والفاظ بھی کثرت سے ہیں جنکا استعمال اس زمانہ میں نہ ہوتا تھا۔ متاخرین نے ان کا استعمال کیا ہے اور ہر شعر میں کچھ نہ کچھ سقم ہے یہ مختصر تالیف اس سے زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اور ان سب کے سوا فردوسی کے لئے زیادہ غلطیاں جتانے کی ضرورت نہیں۔ خدائے سخن کی ایک غلطی بھی لاکھوں غلطیوں کے برابر ہے۔

بے اصل کہانی

مؤرخین عرب نے سلطان محمود کی تاریخیں اس طرح لکھی ہیں کہ جن میں جزئیات کا استقصا کیا گیا ہے یہ تاریخیں دنیا میں موجود ہیں ان میں سے کسی نے یہ فردوسی کی کہانی نہیں لکھی۔ عینی ایرانی مؤرخ سلطان کے عہد میں تھا۔ اسنے بھی اسکا ذکر نہیں کیا (الہند ومالہم من مقالہ مقبولہ او مرذولہ) کا مصنف سلطان کا معاصر اور مخالف ہے۔ نہایت سختی سے سلطان پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ اور جابجا سلطان کو برا بھلا کہتا ہے۔ لیکن یہ کہانی اس کو بھی نہیں ملی اگر یہ امر واقعہ ہوتا تو اس مصنف کیلئے عیب چینی کا اچھا مشغلہ ہوجاتا۔ محمود چوتھی صدی ہجری میں تھا۔ اس زمانہ کے مورخ اس واقعہ سے بیخبر ہیں اوّل یہ روایت چہار مقالہ میں نظر آتی ہے جو

بغیر ماخذ کے لکھی گئی ہو اسلئے قابل اعتبار نہیں۔ چہار مقالہ ڈیڑھ صدی بعد کی تصنیف ہے۔ مؤرخین عصر اور زمانہ قریب کا اس واقعہ کو نہ لکھنا اور ڈیڑھ صدی بعد لکھا جانا خود ظاہر کرتا ہے کہ یہہ من گھڑت ہے۔ صاحب چہار مقالہ غوریوں کا درباری شاعر ہے۔ غور و غزنین کی عداوت مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ یہہ روایت غوریوں کے خوش کرنے کے لئے گھڑی گئی ہو۔ یہہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ چہار مقالہ میں یہہ روایت اسکے مصنف ہی نے لکھی ہے ممکن ہے کہ بعد میں کسی نے اضافہ کیا ہو۔ چہار مقالہ ایسی کونسی کتاب تھی۔ جس کو لوگوں نے حرز جان بنائے رکھا ہو۔ اور وہ دست برد زمانہ یا روایت سازوں کی تحریف سے محفوظ رہی ہو۔ جن لوگوں نے اس قدر تحریفات کی ہیں۔ جنکا تذکرہ گذشتہ اوراق میں ہے ان کو چہار مقالہ میں تحریف کرنے سے کون امر مانع تھا۔ اس سے پہلے اور اس زمانہ میں اور اُس زمانہ کے بعد کی بہت سی کتابوں میں تحریف ثابت ہے۔ مثل دیوانِ حافظ۔ کلیات شمس تبریز۔ گلستان وغیرہ۔ وغیرہ۔

چہار مقالہ کی جو روایت فردوسی کے طبرستان جانے کی نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی غلطیاں ظاہر کیگئی ہیں وہ خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔ صاحب چہار مقالہ جو سوا سو برس بعد تھا اگر روایت گھڑتا تو بھی ایسی فاش غلطیاں نہ کرتا۔

اصل حقیقت

فردوسی ایک شاعر تھا سنی المذہب۔ سلطان محمود کے درباری شعرا میں سے تھا۔ شاہنامہ اوس کی تصنیف ہے جس میں بہت کچھہ تحریف ہوئی ہے۔ سلطان کے عہد میں قرامطہ کا زور تھا۔ قرامطہ سلطان کے درپے تھے۔ اور سلطان قرامطہ کے درپے۔ امراء سلطنت میں ہمیشہ کیطرح پارٹی بندی تھی۔ فردوسی بھی ایک پارٹی کا ممبر تھا۔ سلطنت و صاحب تاج کے مخالفت کے شبہ میں بڑے بڑے خیر خواہ بھی معتوب ہو جاتے ہیں فردوسی پر مخالف پارٹی نے قرمطی ہونے کا الزام لگایا ہے۔ اسی وجہ سے وہ معتوب ہوا چنانچہ

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ ایاز نے بادشاہ سے کہا کہ فردوسی قرمطی ہے اسپر بادشاہ نے فردوسی سے کہا کہ تو قرمطی بودہ صاحب آتشکدہ آذر نے بھی لکھا ہے کہ فردوسی کو قرمطی کہا گیا۔ اور یہ الزام اس لئے پھب گیا کہ دیلمیوں سے سلطان کی سخت مخالفت تھی۔ اور اکثر قرامطہ دیلمیوں کے زیر حمایت رہتے تھے۔ فردوسی کو فخر الدولہ دیلمی نے ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں اور فردوسی نے اس سے خط وکتابت کی۔ علاوہ اس کے قرامطہ کے اکثر بڑے بڑے لیڈر طوس کے رہنے والے تھے۔
یہ واقعات فردوسی کو قرمطی ثابت اور معتوب کرانیکا کافی سبب ہوئے۔ مقربین کے اس شبہ میں معتوب ہونیکی اور بھی نظیریں اوس زمانہ میں ہوئی ہیں۔
حسنک میکال سلطان محمود کا خاص وزیر تھا۔ اس پر بھی یہ الزام لگایا گیا۔ اور خلیفہ بغداد نے سلطان کو لکھا کہ حسنک کا سر کاٹ کر بھیجدو۔ سلطان نے کہا کہ میں نے اس کو بچپن سے پرورش کیا ہے۔ میں اس کے عقائد واعمال سے خوب واقف ہوں یہ اوس پر سراسر اتہام ہے۔" جب بیچارے کی جان بچی۔ لیکن سلطان کے بعد اس ہی شبہ میں قتل کیا گیا۔ امام اسلام امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کو سلطان شہاب الدین غوری ازراہ عقیدت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب سلطان کو قرامطہ نے شہید کیا تو امام صاحب بھی اس شبہ میں ماخوذ ہوئے صرف یہی الزام تھا کہ جسپر فردوسی معتوب ہوا اور شعراء دربار کی سفارش بدر ہا ہو کر سلطان کے بھائی کے پاس سفارش کے لئے گیا۔ اور اس طرح بیان کیا۔

چنین شہریارے وبخشندہ ٭ بہ گیتی ز شاہان درخشندہ
نکرد اندریں داستانہا نگاہ ٭ زبدگوئے بدبخت آمد گناہ
حسد برد بدگوئے در کار من ٭ تبہ شد بر شاہ بازار من

اگر مشہور قصہ والا معاملہ ہوتا تو فردوسی کو سلطان کے بھائی کے پاس جانیکی جرأت اور صفائی کی خواہش نہ ہوتی اور اس کے بھائی کے پاس سے زندہ واپس نہ آتا۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان شاہنامہ دیکھنے بھی نپایا کہ مخالفین کی دراندازی سے فردوسی سے سلطان مشکوک ہوگیا۔ اور اس کو بھاگنا پڑا۔ اس ہی ہجو میں

ایک شعر ہے۔

مر اندیش را روئے نیکی مباد ٭ سخنہائے نیکم بہ بد کردیاد ٭

یہ شعر صاف اِس امر کی شہادت ہے کہ انعام کا قصہ نہ تھا۔ بلکہ کسی مخالف نے کچھ بدگوئی کی تھی۔ اور وہ وہی بات ہوگی کہ یہ قرمطی ہے۔

اِس کہانی کو صحیح تسلیم کرکے

میں آخر میں کوتاہ بین معترضین کی خاطر سے اس مشہور بے اصل کہانی کو تسلیم کرکے اس امر کی جانچ کرتا ہوں کہ سلطان پر خلف وعدہ کا الزام عاید ہوتا ہے یا فردوسی مجرم قرار پاتا ہے۔ سلطان نے فردوسی کو شاہانِ ایران کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا تھا۔ لیکن فردوسی نے جابجا سلطان کے مذہب پر مہذب و غیر مہذب حملے کردئے۔ کوئی انصاف پسند بتلائے کہ اس صورت میں فردوسی مستحق انعام تھا۔ یا قابل عتاب چنانچہ دیباچہ قدیم میں ہے (اما بر سر شاہنامہ شرط ادب را نگاہ داشتہ بود۔ سخن در مذہب خود گفتہ

گرت زین بد آید گناہ منست ٭ چنین است این رسم و راہ منست

سلطان را ناخوش آمد و سیاست فرمود۔ پس عنصری و جملہ شاعران زمین بوس کردند و ورا از سیاست خلاص دادند"۔ اور لکھتا ہے۔

اگر خلد خواہی بدیگر سرائے ٭ بنزد نبی و وصی گیر جائے ٭

برین زادم و ہم برین بگذرم ٭ یقین دان کہ خاک در حیدرم

دلت گر براہ خطا مایل است ٭ ترا دشمن اندر جہان خود دلست

نباشد جز از بے پدر دشمنش ٭ کہ یزدان بآتش بسوزد تنش

آخر شعر کا پہلا مصرع نہایت سخت تبرا ہے۔ مذہب شیعہ کی حدیث (ولد

الزنا شرّ الثلاثۃ) کی طرف اشارہ ہے۔ جس کے مقابلہ میں ایک سنّی المذہب کو اپنی جان بھی عزیز نہیں ہو سکتی۔

آشوب تورانی کے اس شعر سے جو وہ فردوسی کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

بہر مذہب و پیشہ جنگ و جدال ؎ زبحثت فگندن بہر دین خلل

معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی مذہبی چھیڑ چھاڑ کا عادی تھا۔ پس اس صورت میں کون انصاف پسند ہے کہ ایسے شخص کو مستحق انعام قرار دیگا۔ بلکہ سلطان کے اس کو زندہ چھوڑ دینے ہی کو بڑی قدردانی قرار دیگا۔

گذارش

اس فقیر نے سلطان محمود اور فردوسی کے معاملہ کے متعلق جسقدر تحقیقات کی جا سکا خلاصہ ہدیہ ناظرین ہے امید کہ ارباب فہم غور فرما کر انصاف فرمائینگے۔ مجھے اتہام و الزام لگانے کیطرح ضد نہیں ہے اگر کوئی صاحب اس تحقیقات کو معقولیت کے ساتھ غلط ثابت کردیں گے تو مجھکو اپنے خیال سے رجوع کرنے میں دریغ نہ ہوگا محض ضد و نفسانیت سے ایک مقتدر ہستی کو بدنام کرنا اور ایک متمدن قوم کی دل آزاری کرنا شرافت و انسانیت سے بعید ہے ماہران سیر کی خدمت میں التماس ہے کہ اس خاص مسئلہ پر جس کی فی زمانہ شدید ضرورت تھی فقیر نے بہت کچھ مواد اس مختصر تالیف میں جمع کر دیا ہے۔ اس فقیر کو اپنی کم مایہ گی کا خود اعتراف ہے بجائے اس کے کہ میری گرفت کے درپے ہوں خذ ما صفا دع ما کدر کو پیش نظر رکھ کر اور اس رسالہ کو سنگ بنیاد قرار دیکر کوئی مستحکم عمارت بنا کر دیں تو فن تاریخ اور قوم کی ایک اہم خدمت ہوگی۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے

دعا

اللہم اہدنا فی من ہدیت وعافنا فی من عافیت وبارک لنا فیما اعطیت وتولنا فی من تولیت

وقنا شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت

تبارکت ربنا وتعالیت نستغفرک ونتوب الیک وصلی اللہ علی النبی وسلم

شد ختم بر حدیث تو آخر بیان ما

باشد نگیں نام تو مہر دہان ما